غسل جنابت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهٗ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ غُرُفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ. متفق علیه

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جب آنحضرت ﷺ جنابت سے غسل فرماتے پہلے ہاتھ دھوتے، پھر نماز کی طرح وضو فرماتے، پھر انگلیاں پانی میں داخل فرماتے اور ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال فرماتے، پھر سر پر دونوں ہاتھوں سے تین دفعہ پانی ڈالتے، پھر سارے بدن پر پانی بہاتے۔“

نماز سے بے پناہ شغف اور تعلق

رحمت عالم قرن الثعالب میں مغموم اور متفکر بیٹھے ہیں، زخموں سے نڈھال ہیں، اوران سے سرخ خون رس رہا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی نظریں چہرۂ انور پر ہیں، دل غم سے پھٹا جارہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف والوں کو رحمت ربّ کا پیغام دینے گئے تھے، لیکن عبدیالیل، مسعود، حبیب نے پہلے تو طنز وتشنیع اور توہین واستہزا کے تیروں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چھلنی کیا اور پھر ان سیاہ بخت سرداروں نے اوباشوں اور آوارہ لڑکوں کو پیچھے لگادیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کا پیغام دے رہے تھے اور وہ پتھر برسا رہے تھے، اتنے پتھر برسائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخموں کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ پر بٹھایا، آبادی سے باہر لے گئے اور آپؐ نے قرن الثعالب میں پہنچ کر ذرا سکون کی سانس لی پھر مکے کو واپس ہوئے، واپسی پر کہا گیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان ظالموں کے حق میں بددعا کیجیے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا اور فرمایا میں بددعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں یہ ایمان نہیں لارہے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ان کی نسلیں ایمان لے آئیں۔

اُحد کی جنگ میں مجاہدین نے جب دیکھا کہ میدان ان کے ہاتھ ہے تو مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ اور اس درّے کے تیرانداز بھی درّے سے ہٹ آئے، جن کو وہاں جمے رہنے کی سخت تاکید تھی، دشمن نے موقع پایا، پلٹ کر ایسا حملہ کیا کہ مجاہدین حواس باختہ ہوگئے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

مگر کوہِ استقامت اپنی جگہ سے نہ ٹلا۔ تیروں کی موسلا دھار بارش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمے کھڑے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد صرف چند جاں نثار اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے رہ گئے ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی مرتضٰی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن عوام، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اور چند اور فداکار، دشمنوں نے پیکر رحمت پر پتھروں کی بارش کردی، ابن قمیہ کا پتھر روشن پیشانی پر لگا اور خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ ابن ہشام کا پتھر بازو پر لگا اور بازو زخمی ہوگیا۔ عتبہ کے پتھر سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ اب مجاہدین کی نظر پیکر جمال پر پڑی اور وہ پھر سمٹ آئے، اسی دوران قریش کا سنگ دل بہادر عبداللہ بن قمیہ صفوں کو چیرتا، پھاڑتا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا، اور چہرۂ انور پر تلوار ماری، خود کی کڑیاں چہرۂ مبارک میں گھس گئیں آپ زخموں کی تاب نہ لاکر ایک گڑھے میں گر پڑے۔ جاں نثار یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان مشرکین کے حق میں بددعا فرمایئے۔'' پیکر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا ہوں مجھے تو اللہ کی طرف بلانے والا اور سراپا رحمت بنایا گیا ہے، یااللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔''

حیرت ہے کہ ان نازک ترین اور سخت ترین موقعوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دعا ہی کے کلمات نکلے لیکن غزوۂ احزاب میں جب خدا کے دشمنوں نے آپ کو عصر کی نماز پڑھنے کی مہلت نہ دی، تو نماز قضا ہونے کا صدمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برداشت نہ کرسکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کے لیے بددعا کے وہ کلمات نکلے جن سے زیادہ سخت کلمات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَاءَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا۔ [متفق علیہ]

''ان دشمنوں نے ہمیں نمازِ عصر پڑھنے سے آج روکے رکھا اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھردے۔'' چہرۂ انور زخمی ہو یا دانت ٹوٹ جائیں، گڑھے میں گر پڑیں یا جان چلی جائے سب کچھ برداشت ہے لیکن نمازِ عصر قضا ہوجائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ برداشت نہیں کرسکتے۔ اللہ اکبر یہ شانِ بندگی خاتم النّبیین ہی کا حصہ ہے۔

فہرست

اداریہ

حافظ احمد شاکر

چہرہ

اہل علم کو جن واقعات کے ظہور کی بہ ظاہر کوئی وجہ سمجھ نہ آئے وہ ایسے واقعات کو تکوینی امر، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''کن'' فرمادیا اور وہ واقعہ وقوع پذیر ہوگیا، کا نام دیتے ہیں۔

اذا اراد اللہ شیئا ھیأ اسبابہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی امر کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کے لیے ایسے اسباب بھی بنادیتا ہے جس سے وہ امر واقع ہوجاتا ہے۔

وطن عزیز کا درد رکھنے والے بعض اصحاب ایک عرصہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور خود بھی سجدہ ریز اور دعا گو ہیں اور قوم کو بھی آمادۂ استغفار کرنے کی نصیحت کررہے تھے اور کررہے ہیں۔ شاید ان میں سے کسی مضطرب...... بے قرار......کی دعا عرش معلی تک پہنچ گئی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے تکوینی امر سے امریکی قاتل کے ہاتھوں دو پاکستانی شہریوں کو شہید کرادیا اور تیسرا بے چارہ جرم بے گناہی میں اس کے ساتھیوں میں سے ہی کسی پٹھی بھائی کی گاڑی کے نیچے کچلا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب ذاتِ باری تعالیٰ پاکستانی عوام کی غیرت وحمیت کا امتحان لے رہی ہے کہ اس موقع پر یہ مسلمان کیا سوچتے، کیا کرتے اور اللہ تعالیٰ پر کس قدر توکل کرتے اور طاغوت سے کس حد تک بے نیازی دکھاتے ہیں۔ اس اچانک ہونے والے واقعہ کے طفیل امریکیوں کے بہت سارے عزائم میں سے کچھ بے نقاب ہوچکے اور باقی ہوتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی حکمرانوں کے طریق حکم رانی کے ڈھیروں پرت بھی الٹ گئے اور سیاست دانوں کی سیاست کے بہت سے رازہائے سربستہ بھی جھرنوں سے جھانکنے لگ گئے ہیں۔

غزوۂ ہند میں شریک ہونے والوں کی مغفرت کی احادیث پر اگر غور کیا جائے تو موجودہ حالات پر ان کا انطباق یوں بھی کیا جانا ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چوں کہ طاغوت سے جنگ کے ذریعے اپنے بندوں کی مغفرت فرمانی تھی اس لیے اس نے کفر سے مقابلہ کے لیے پاکستان کو میدان جنگ بنانے کے لیے منتخب فرمالیا، اب یہ سمجھ لینا بھی اتنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانوں کو یہ خطہ عطا ہی اس لیے کیا گیا تھا اور اب ربّ قدیر ورحیم کی مشیت نے پاکستان کو اب ایک ایسا موقع عطا فرمادیا کہ جس سے دنیائے کفر اس کے سامنے اکٹھی ہورہی ہے۔ اپنی ہر مخلوق کے حاشیۂ خیال سے گزرنے والی لہر کا علم رکھنے والی ذاتِ پاک نے اب پاکستانی حکمرانوں اور سیاست دانوں کے عمل کا امتحان لینے کے لیے ریمنڈ ڈیوس کو مجرم بنا کر ان کے حوالے کردیا ہے کہ دیکھئے یہ جذبہ ایمانی سے ڈٹ کر سربلند ہوتے ہیں......انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین...... یا ''ہرمجلس'' میں حسب حال گفتگو کرنے کی مہارت سے بعض کو خوش کرتے اور بعض کو مصلحت کوٹڈ گفتگو کرکے مطمئن کرکے اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ خطۂ پاکستان کو ہمیں عطیہ الٰہی اس حیثیت سے بھی سمجھنا چاہیے کہ پاکستان کا محل وقوع قابل رشک ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فراوانی بھی غیر معمولی ہے۔ اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر جتنا بھی ادا کریں کم ہے۔ پاکستان کے حکم رانوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ عقل، حوصلہ اور توکل عطا فرمائے تو ان کو یہ سمجھ آجانی چاہیے کہ پاکستان دنیا کے لیے جس قدر اہم اور دنیا کے مفادات جس قدر پاکستان سے وابستہ ہیں اس کے مقابل پاکستان کو دنیا کی محتاجی نہیں۔ ماضی قریب ہی میں آپ دیکھ لیں سپر پاور روس کو شکست پاکستانی مسلمانوں کے عملی تعاون کے بغیر قطعاً ممکن نہ تھی۔ اب مشیت الٰہی امریکا کو......زعم فتح کی خوش خیالی میں......گھیر کر اسی جگہ یعنی افغانستان لے آئی جہاں امریکا پورے کفر کو یہاں جمع کرچکا ہے کہ امریکا کے لیے افغانستان کو فتح کرکے مستقبل کے

اپنے واحد حریف چین کو گھیرا ڈالنا آسان ہو۔چینی ترقی کے خوف نے اس کی نیند حرام کر رکھی ہے لیکن اگر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو یہ بات بھی سمجھ آ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روس کی طرح امریکا کو پاش پاش کرنے کے لیے تمام دنیا کے طاغوت کو اس ایک خطے میں جمع کر دیا ہے اب فیصلہ ہمیں یہ کرنا ہے کہ ہم اس سنہرے موقع سے مسلم امہ کے لیے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ سورج کے طلوع وغروب کی طرح یہ بات واضح ہے کہ جس طرح روس یہاں سے شکست کھا کر ابھی تک کہیں پاؤں نہیں جما سکا اسی طرح امریکا بھی یہاں سے شکست کھا کر دنیا میں کہیں ٹھہر نہ سکے گا۔ ویسے آپس کی بات ہے کہ امریکا کی شکست شروع ہو چکی ہے پہلی علامت کے طور پر امریکی بنکوں کا دیوالیہ شروع ہو چکا ہے۔ اب چونکہ افغانستان میں بھی اس کو شکست نظر آ رہی ہے اسی لیے تو وہ افغانستان سے جانے کا ٹائم فریم بھی دے رہا اور افغانستان سے باعزت رخصتی کا راستہ اپنے کاسہ لیسوں کے ذریعہ تلاش کر رہا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل دنیا کے عظیم مسلمان جرنیل صلاح الدین ایوبی کی اس رائے میں ہے جو اس نے عکہ کی جنگ کے موقعہ پر اپنے دانشوروں کا مشورہ سن کر کہی تھی۔ عکہ کے میدانِ جنگ میں جب سلطان کے جرنیلوں نے دیکھا کہ دشمن کی تعداد اور اسلحہ بہت زیادہ ہے اور سلطان کی سپاہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی تو انہوں نے سپہ سالار کو مشورہ دیا کہ کس وقت ہم چپکے سے پسپا ہو جاتے ہیں، تیاری کرتے ہیں اور کسی دوسرے معرکے میں پھر دشمن کا سامنا کرتے ہیں۔ پاکستانی مزاج کی قوم کے لیے یہ مشورہ عین صائب اور بہت مناسب تھا لیکن فاتح سلطان، جو کسی اور مٹی کا بنا ہوا تھا، نے جواب دیا کہ

''دشمن اتنی بھاری تعداد میں اور اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ پھر کبھی ہمارے سامنے نہیں آئے گا۔ میں اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ اگر آج ہم نے فتح حاصل کر لی تو پھر دشمن ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔''

چناں چہ یہی ہوا سلطان کے عزم کے سامنے بھاری تعداد میں موجود دشمن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ بتاتے ہیں کہ برسوں تک عکہ کے میدانِ جنگ میں ہڈیاں ملتی رہیں۔ آج امریکا ہمارے سامنے اپنی بے پناہ طاقت اور سازش کے ساتھ اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ موجود ہے۔ ہم نے امریکا اور نیٹو کے ساتھ جنگ نہیں کرنی بلکہ وہ جن حالات میں خود اپنی حماقت کی وجہ سے پھنس گئے ہیں ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی جرأت کرنی ہے جنگ تو وہ افغان لڑ رہے ہیں جن کے پاس اس سردی میں گرم کپڑے بھی نہیں ہیں۔ دیکھتے ہیں ہم صلاح الدین ایوبی کو اپنا ہیرو اور آئیڈیل سمجھنے والے اس میں کتنے سچے ہیں۔ قدرت نے کفر کی قوموں کو گھیر گھار کر افغانستان کی بند گلی میں پھنسا دیا ہے حالات اس سے زیادہ سازگار پھر کہاں ہوں گے۔''

(بہ شکریہ ''غیر سیاسی باتیں'' روزنامہ ایکسپریس، ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء)

یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ مرحوم جنرل ضیاء الحق پر بھانت بھانت کی پھبتیاں کسنے والے پی۔ پی۔ پی کے حکمران اسی مرحوم کی آئین میں کی ہوئی ترامیم سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہو رہے ہیں اور اب وہ مجرم اور اس کے لواحقین کو دیت کی متبادل صورت بتانے لگے ہیں۔ ادھر ریمنڈ کی پہلو دار شخصیت کے کئی روپ بہروپ بھی سامنے آ رہے ہیں اور ساتھ ہی اس کی مختلف ذمہ داریوں کی تفصیلات سے بھی میڈیا قوم کو آگاہ کر رہا ہے حیرانگی ہے کہ حکومتی عہدہ رکھنے والے بعض قانون دان ملزم اور مجرم کا فرق کیے بغیر ڈاکٹر عافیہ صدیقی سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے عافیہ صدیقی کی رہائی کی شدنی بھی چھوڑ رہے ہیں اور ہاں! اُن دانشوروں کے حوصلہ وجرأت بھی قابل داد ہے جو دن دیہاڑے کے اس وقوعے سے حقیقت اور افسانے کشید کر کے قومی غیرت وحمیت کے عوض اپنی نوکری پکی کرنے کی شاہراہ پر رواں دواں ہیں۔

سارا عالم شاہد ہے کہ امریکا جمہوریت صرف اسی کو تسلیم کرتا ہے جس سے اس کو مفادات حاصل ہوتے ہوں۔ اب دنیا نے امن اور انصاف کے داعی کے انصاف کا یہ چہرہ بھی دیکھ لیا کہ اس کے نزدیک انصاف صرف وہی ہے جو امریکا چاہے، وہ اپنے مقتول کے قاتل......ایمل کانسی......کو پاتال سے نکال کر لے جاتا ہے اور قاتل کو سزا دیئے بغیر اسے چین نہیں آتا لیکن قاتل اگر امریکی ہو تو وہ ہر قیمت پر اس کو بچانے اور چھڑا لے جانے کو اپنا حق جانتا ہے۔ باقی رہے ہم

درس قرآن

قسط نمبر ①

تفسیر سورۃ الفاطر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ [الفاطر: ١]

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، فرشتوں کو قاصد بنانے والا، جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ وہ مخلوق کی بناوٹ میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔''

یہ سورۂ ''الفاطر'' ہے جو ۴۵ آیات مبارکہ پر مشتمل ہے، اور مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کا آغاز ''الحمد للہ'' سے ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں پانچ سورتیں ہیں جن کا آغاز ''الحمد للہ'' سے ہوا ہے:

(۱) الفاتحہ، (۲) الانعام، (۳) الکہف، (۴) سبا، (۵) الفاطر۔

کلمۂ ''الحمد للہ'' میں چند مباحث غور طلب ہیں:

۱: کسی کے اوصاف ذاتیہ اور اختیاریہ کو بیان کرنا ''حمد'' ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہیں جس کے تمام اوصاف ذاتی اور اختیاری ہیں۔ وہی سب پر قادر مطلق اور حاکم ہے۔ ساری مخلوق اسی کی محکوم ہے جس کسی میں کوئی خوبی ہے تو وہ اسی کی عطا کردہ ہے۔ ''الحمد'' میں ال استغراق کے لیے ہے کہ ہر قسم کی حمد وثنا، وہ جس نوعیت کے حوالے سے ہو یا جس کسی کے لیے ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے۔ اگر کوئی عالم ہے تو علم اللہ تعالیٰ ہی کی عطا ہے۔ اگر کوئی طبیب ہے، خوب صورت ہے، حسن صوت یا لحن داؤدی سے متصف ہے، مال دار ہے یا امیر وحاکم ہے یہ سب اوصاف وکمالات اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ ہیں۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾

''کہہ دے اے اللہ! بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کردیتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔'' [آلِ عمران: ٢٦]

اس لیے ہر قسم کی حمد وتعریف کا حقیقی طور پر سزاوار اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اس لیے ''الحمد للہ'' کے معنی سب تعریف نہیں بلکہ سب تعریفیں ہی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ دعائے ماثورہ کا یہی مفہوم ہے:

"اللهم لك الحمد كلهٗ، واليك يرجع الأمر كله." [بيهقى، صحيح الترغيب: ١٥٧٦]

''اے اللہ سب تعریفیں تیرے لیے ہیں، اور تمام معاملات تیرے پاس لوٹتے ہیں۔''

۲: ''حمد'' کے معنی شکر بھی ہیں۔ مگر یہ معنی عموماً کسی متعین نعمت کے تناظر میں ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک اور ادعیہ مسنونہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ حمد کے بارے میں علماء نے کہا ہے یہ زبان سے ہوتی ہے جبکہ شکر زبان، قلب اور اعضاء سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کی اولاد کو جن انعامات وکرامات سے نوازا گیا تھا، اسی تناظر میں انہیں فرمایا گیا:

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾

[سبا: ١٣]

''اے داؤد کے گھر والو! ادائے شکر کے لیے عمل کرو، اور میرے بندوں میں بہت تھوڑے شکرگزار ہیں۔''

حضرت ثابت البنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اہل خانہ کے لیے اوقات کو تقسیم کر دیا تھا یوں ہر وقت گھر میں نماز پڑھے جانے کا اہتمام تھا۔[ابن کثیر، ج: ٣/ ٦٩٨]

سیّد کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز تہجد میں اتنا لمبا قیام کرتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں کہ آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے پہلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

افلا اکون عبداً شکورا .

[صحیح بخاری: ٤٨٣٧]

''کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں۔''

یہی روایت صحیح بخاری ۱۱۳۰ میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ [الزمر: ٦٦]

''اے نبی صرف اللہ ہی کی عبادت کر اور اللہ کے شکر گزاروں میں شامل ہوجاؤ۔''

صحیح مسلم:۱۶۷۱ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے جسم میں ہر جوڑ پر صدقہ ہے، ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تحمید وتہلیل صدقہ ہے اور ان کے لیے چاشت کی دو رکعتیں کافی ہیں۔سجدہ عبادت ہے اور سجدہ شکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کے موقعہ پر کرتے تھے۔اس لیے شکر صرف زبان سے نہیں دل واعضاء سے شکر کی بجا آوری شکر کو مستلزم ہے۔

۳: کسی کی تعریف کے لیے ''مدح'' کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔مگر مدح میں ممدوح کی خوبیوں کا اختیاری اور ارادی طور پر ہونا ضروری نہیں۔ یہ اختیاری اور غیر اختیاری دونوں پر بولا جاتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ مدح کا لفظ حمد سے مقلوب ہے اور یہ دونوں مترادف ہیں۔مگر انسان کے لیے حمد کا نہیں بلکہ مدح کا لفظ بولا جاتا ہے۔ علامہ راغب رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ہر شکر، حمد ہے مگر ہر حمد، شکر نہیں۔اسی طرح ہر حمد، مدح تو ہے مگر ہر مدح حمد نہیں ہے۔[مفردات القرآن]

''الحمد'' کے بارے میں ایک بڑی لطیف بات حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہی ہے۔لکھتے ہیں:

"إخبار عن محاسن المحمود مع حبه وإجلاله وتعظيمه ." [بدائع الفوائد، ج: ٢، ص: ٩٣]

''محمود کے محاسن کا ذکر اس کی محبت، اس کی عظمت وجلال اور اس کی تعظیم وتکریم کے ساتھ۔''

جس سے قلب وروح جھوم جائے اور دل کی گہرائیوں کی زبان ترجمان بن جائے حقیقتاً یہی حمد مقصود ومطلوب ہے کہ انسان دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کے جلال وجمال کا تصور کرتے ہوئے الحمد للہ کہے۔

۴: یہ ''الحمد'' اوّل وآخر صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے سزاوار ہے۔ابتدائے آفرینش کے موقع پر فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾

[الانعام: ١]

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر (بھی) وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَ هُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾ [القصص: ٧٠]

''اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لیے دنیا اور آخرت میں سب تعریفیں ہیں، اور اسی کے لیے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس میں روح پھونکی تو حضرت آدم علیہ السلام کی زبان پر بھی سب سے پہلا کلمہ ''الحمدللہ'' کا تھا۔ چناں چہ صحیح ابن حبان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لما نفخ في آدم فبلغ الروح رأسه عطس فقال الحمد لله رب العالمين، فقال له تبارك وتعالى يرحمك الله." [صحيح ابن حبان، الموارد: ٢٠٨١۔ السلسلة الصحيحة: ٢١٥٩]

''جب آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی تو روح ان کے سر تک پہنچی، انہیں چھینک آئی، تو انھوں نے ''الحمد لله رب العالمين'' کہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواباً فرمایا: ''يرحمك الله۔''

یہی روایت صحیح ابن حبان وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[موارد الظمان: ٢٠٨٠، ٢٠٨٢]

علامہ البانی نے اسے صحیح الموارد اور الصحیحۃ میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام البزار کے حوالے سے یہی روایت نقل کر کے فرمایا ہے:

"هذا اسناد لا بأس به." [البداية، ج: ١، ص: ٨٦]

چھینک آنے پر الحمد للہ اور اس کا جواب دینے میں آج بھی مسنون طریقہ یہی ہے۔ طب جدید نے اعتراف کیا ہے کہ چھینک آنے پر دل کی حرکت بند ہوجاتی ہے۔ گویا اس کے بعد حیاتِ نو پر الحمد لله ربّ العالمين کہہ کر اللہ کی حمد اور اس کی نعمت پر شکر کا اظہار ہے۔

اسی طرح جن انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کردیا جائے گا تو اہل جنت کی آخری دعا یہی ''الحمدللہ'' ہوگی۔ چناں چہ ارشاد فرمایا:

﴿دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [يونس: ١٠]

''ان کی جنت میں دعا یہ ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ'' اور جنت میں آپس کا تحیہ سلام ہوگا اور ان کی دعا کا اختتام یہ ہوگا کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

گویا جب جنت کا نظارہ کریں گے تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کی صدا ہوگی۔ اہل جنت باہم آپس میں ملیں گے تو سلام، سلام کہیں گے، ربّ کریم کی طرف سے بھی ﴿سلام قولا من رب رحيم﴾ کی صدا آئے گی۔ فرشتے بھی ان پر داخل ہوتے ہوئے سلامٌ، سلامٌ پکاریں گے، جیسے فرمایا:

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ [الرعد: ٢٣، ٢٤]

اور جب بیٹھیں گے اور جنت کی دائمی لذتوں کا احساس پائیں گے تو الحمد للہ رب العالمین پکاریں گے۔ سورۃ الزمر میں بھی ہے:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ [الزمر: ٧٤، ٧٥]

''اور وہ کہیں گے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں، سو عمل کرنے والوں کا یہ اچھا اجر ہے۔ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے اپنے ربّ کی حمد کی تسبیح کررہے ہیں اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔''

اس لیے اوّل وآخر، دنیا وآخرت میں اور آسمانوں اور زمین پر اللہ تعالیٰ ہی حمد کے لائق ہے اور وہی محمود ہے۔

۵: ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ یا دیگر کلماتِ حمد سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی ہے۔ اپنی آخری کتابِ ہدایت اور نسخہ شافی کا آغاز اپنی تعریف سے کیا ہے۔ سیّد کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جس قدر حمد وثنا کی اور جن جن کلمات سے حمد بیان کی اسی کا نتیجہ ہے کہ قیامت کے روز آپ کو یہ اعزاز بخشا جائے گا کہ آپ کے دست مبارک میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ [ترمذی: ۳۶۱۵]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انعام واکرام کے باوجود آپ اپنے مولا سے سربسجود ہوکر عرض کرتے ہیں:

"لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك."

''الٰہا میں آپ کی ثنا کا حق ادا نہیں کرسکتا آپ اسی طرح ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا خود کی ہے۔''

زمین وآسمان اور ان کے مابین ہر چیز اللہ کی ثنا خوانی میں مصروف ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ٤٤]

''ساتوں آسمان اور زمین اس کی تسبیح اور وہ بھی جو ان میں ہیں، اور کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے، بے شک وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار نہایت بخشنے والا ہے۔''

اس لیے وہی ذات پاک حمد وثنا کی سزا وار ہے۔ اور وہی ہے جس نے اپنی تعریف خود آپ کی ہے۔ اور وہی اس کا مستحق ہے۔

۶: اپنی مدح وتعریف کسی انسان کے لیے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لائق نہیں کہ وہ خود اپنی تعریف اور اپنی مدح بیان کرے۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کو اس سے منع کیا ہے۔ چناں چہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ [النجم: ۳۲]

''یقیناً تیرا رب وسیع بخشش والا ہے، وہ تمھیں زیادہ جاننے والا ہے جب اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے، لہٰذا تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔''

یہود ونصاریٰ اپنے آپ کو اللہ کی اولاد اور محبوب سمجھتے اور کہتے کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے۔ جہنم میں گئے بھی تو یہ چند دنوں کا معاملہ ہوگا۔ اسی تناظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: ٤٩]

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک صاف کہتے ہیں، بلکہ اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔''

کسی انسان کی تعریف وتوصیف کا مدار تقویٰ اور اس کے قلب کی پاکیزگی اور اخلاص پر ہے۔ اور اس کا حال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا:

"ويلك قطعت عنق صاحبك."

''افسوس کہ تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن ہی مار دی۔''

یہ بات آپ نے کئی بار دہرائی، پھر فرمایا:

"اذا كان احدكم مادحاً صاحبه لا محالةً فليقل احسب فلانا والله حسيبه ولا أزكي على الله احداً احسبه كذا وكذا."

[بخاری: ٦١٦٢، ٢٦٦٢۔ مسلم: ٧٥٠٢]

''اگر تم میں سے کسی کو ایسی ضرورت کے لیے کسی کی تعریف

کرنی ہوتو وہ یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو ایسا اور ایسا سمجھتا ہوں، اللہ ہی اسے بہتر جانتا ہے، حقیقی علم صرف اللہ ہی کو ہے۔''

محمد بن عمرو بن عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنی بیٹی کا نام ''برۃ'' رکھا تو مجھے زینب بنت سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام رکھنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے:

"لا تـزكـوا انـفسـكـم انّ الـلـه اعلم بأهل البر منكم ." [مسلم: ٥٦٠٩]

''اپنے آپ کی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے پاک صاف کون ہے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اياكم والتمادح فانه الذبح ."

''کسی کے منہ پر اس کی تعریف سے بچو یہ اسے ذبح کر دینا ہے۔''[ابن ماجه: ٣٧٤٣، احمد]

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے لگا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ میں مٹی دے ماری اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے جب تم منہ پر تعریف کرنے والے کو ملو تو اس کے منہ میں مٹی ڈالو۔

[مسلم: ٧٥٠٦ وغيره]

اس لیے نہ اپنی تعریف خود آپ کرنی چاہیے نہ ہی کسی کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے۔ کسی ظاہری احوال کی بنا پر ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ حسب علم یہ نیک ہے، سخی ہے، علم وعمل کے زیور سے آراستہ ہے مگر ساتھ یہ بھی کہنا چاہیے کہ حقیقت حال تو بس اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف کا ہم کو حکم ہے اور یہ ہر حال میں ہونی چاہیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیّد کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی تعریف کی ہے۔ انہیں جنت کی بشارتیں دی ہیں۔ اس لیے ہم ان کی تعریف وتوصیف، ان کا مقام ومرتبہ بیان کرتے ہیں اور ان تمام سے محبت دین وایمان سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے العقیدہ الطحاویہ، ص: ۴۶۷ میں فرمایا ہے۔ اسی طرح تمام سلف امت تابعین کرام ائمہ محدثین وفقہاء اور تمام اہل اللہ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ ان کی دینی خدمات اور ان کے عمل واخلاص کا حسب علم اعتراف اور اظہار کرتے ہیں۔ اور اجمالاً حسن ظن رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں سرخرو فرمائے گا۔ لیکن کسی کے نام بنام جنت جانے کا اعلان واظہار سے اسی لیے گریز کرتے ہیں کہ ﴿هو اعلم بمن اتقى﴾ کا یہی تقاضا ہے۔ علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے "ولا نـنزل احداً منهم جنةً ولا ناراً" ہم کسی کے بارے میں نہ جنت جانے کی بات کرتے ہیں نہ ہی جہنم جانے کی۔''

مگر ہائے افسوس! آج تو کچھ کر نہ پانے کے باوجود بھی اپنی تعریف کے ہم متمنی ہوتے ہیں۔ اپنے ناموں کے سابقے اور لاحقے کے متلاشی ہوتے ہیں۔ بلکہ تعریف توصیف کے لیے اپنے احباب ساتھ رکھتے ہیں اور پھر ان کی تعریف پر پھولے نہیں سماتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



توجہ فرمائیں

ایک آدمی سر کی تکلیف میں مبتلا ہے جس کا سر بیماری یا جادو وغیرہ کی وجہ سے ہر وقت جکڑا ہوا رہتا ہے۔ اور پیچھے سے سر پھول گیا ہے۔ اگر کسی کے علم میں اس کا علاج ہو تو بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(عثمان بھٹہ 0323-4685565)

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: من الشّعر حکمة

کچھ شعروں میں حکمت ودانائی ہوتی ہے

٨٨٠ . عن خالد ـ هو: ابن كَيْسَان ـ قال: كنتُ عـنـدَ ابنِ عمرَ، فوقفَ! عليه إياسُ بن خيثمةَ قـال: ألاَ أُنْشِدُكَ مـن شـعـرِي يا ابنَ الفَارُوق؟ قـال: بـلٰـى، ولٰـكـنْ لا يـنـشـدُنى إلَّا حَسَنًا، فـأنشـدَهُ حتى إذا بلغَ شيئاً كرهَهُ ابنُ عمرَ قال له: أَمْسِكْ . [ضعيف الإسناد]

''حضرت خالد بن کیسان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں، میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا اسی اثنا میں ان کے پاس ایاس بن خیثمہ رضی اللہ عنہ آ کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے ابن فاروق! کیا میں آپ کو شعر نہ سناؤں انہوں نے کہا سناؤ لیکن شرط یہ ہے کہ شعر اچھے ہوں۔ چناں چہ انہوں نے شعر پڑھنے شروع کر دیے جب ایسا شعر پڑھا جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ناپسند اور ناگوار گزرا آپ نے کہا بس رک جاؤ۔''

٨٨١ . عـن قتـادةَ سمعَ مُطَرِّفًا قالَ: صحبتُ عِـمْرانَ بنِ حُصينٍ من الكوفةِ إلى البصرةِ فقلّ مـنـزلٌ ينزلهُ إلّا وهو ينشدُنِى شِعْرًا، وقالَ: إنّ فى المعَارِيْضِ لَمَنْدُوْحَةً عَنِ الْكَذِبِ .

[صحيح موقوفاً]

''حضرت قتادہ مطرف رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ سے بصرہ جاتے ہوئے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے ہم سفر تھا شاید ہی کوئی ایسی منزل ہوگی جہاں وہ مجھے شعر نہ سناتے ہوں اور کہتے بے شک اشارہ کنایہ میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہوتی ہے۔''

٨٨٢ . عـن أُبَـيِّ بـنَ كَـعْـبٍ قـال، أنّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إنّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً .))

[صحيح البخارى]

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض اشعار میں حکمت ودانائی ہوتی ہے۔''

٨٨٣ . عن الأسود بن سريع ، قلتُ: يا رَسُولَ الـلّٰـهِ ﷺ إنّى مدحتُ ربّى عَزَّوَجَلَّ بِمَحَامِدَ، قالَ: ((أمَّا إنَّ رَبَّكَ يُحبُّ الْحَمْدَ))، ولم يَزِدْهُ عَلٰى ذٰلِكَ . [حسن]

''حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا میں نے (اشعار میں) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تیرا پروردگار حمد کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔''

٨٨٤ . عـن أبـى هـريـرةَ قالَ: قالَ رسولُ اللّٰه ﷺ: ((لأنْ يَـمْـتَـلِـىءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيَهُ، خيرٌ مِنْ أنْ يَمْتَلِىءَ شِعْرًا .)) [صحيح البخارى]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے وہ اس کے پیٹ کو خراب کردے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ آدمی اپنے پیٹ کو شعروں سے بھر کر خراب کرے۔''

۸۸۵ . عن الأسودِ بن سريع قال: كنتُ شاعراً فـأتيـتُ الـنَّبـيَّ ﷺ فـقلتُ: ألا أنشِدُكَ مَحَامِدَ حَـمَـدْتُ بهـا رَبّـيْ؟ قـال: ((إنّ رَبَّكَ يُحِـبُّ المَحَامِدَ)) ولم يَزِدْنِيْ عليه . [صحيح]

''حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شاعر ہوں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا، کیا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی حمد کے اشعار نہ سناؤں جو میں نے کہے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا پروردگار حمد کو بہت پسند کرتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔''

۸۸٦ . عـن عـائشة رضـی الـلّـه عـنها قالتْ: استـأذَنَ حسـانُ بـنُ ثـابتٍ رَسُولَ اللّٰه ﷺ فی هِـجَـاءِ الـمُشْـرِكِيْـنَ ، فـقالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((فـكيفَ بِنِسْبَتِيْ؟)) فقالَ: لأسِلَنَّكَ منُهمْ كما تُسَلُّ الشّعرَةُ مِنَ العَجِيْنِ . [صحيح البخاری]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں ایک دن حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی ہجو (برائی) بیان کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری ان سے رشتہ داری کے متعلق کیا کرو گے تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کو ان سے ایسا صاف نکال لوں گا جیسے آٹے سے بال کو نکال لیا جاتا ہے۔''

۸۸۷ . عـن هشـامٍ ، وعـن أبيـهِ قـال: ذهبتُ أسـبُّ حَسّانَ عندَ عائشةَ ، فقالتْ: لَا تَسُبَّهُ فإنّه كانَ يُنَافِحُ عن رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ . [صحيح البخاری]

''ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا میں وہاں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا تو امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حسان کو گالی نہ دو وہ تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مدافعت کیا کرتا تھا۔''

فائدہ: حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں فرمایا ہے هجاهم فشفٰی واستشـفٰی۔ رواہ مسلم۔ مسلمانوں کے دلوں کو راحت دی شفا دی اور اپنے دل کو شفا دی۔

باب: الشعر حسن كحسن الكلام و منه قبيح

شعر اچھے کلام کی طرح اچھے اور قبیح دونوں طرح کے ہوتے ہیں

۸۸۸ . عـن أبيّ بنِ كعبٍ ، عن النَّبِيِّ ﷺ قالَ: ((مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةٌ .)) [صحيح]

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ شعروں میں حکمت ودانائی ہوتی ہے۔''

فائدہ: صحیح بخاری کا لفظ یوں ہے ان مـن الشعر حكمة مراد حکمت سے عدل وعلم ہے یا یہ مطلب کہ بعض شعر کلام نافع ہوتا ہے اور جہل وسفہ سے منع کرتا ہے۔ [نواب صدیق حسن خان صاحب]

۸۸۹ . عن عبد اللّٰهِ بن عمرٍو قال: قالَ رسولُ الـلّٰـهِ ﷺ: ((الشِّـعْـرُ بِـمنزلةِ الْكَلَامِ: حَسَنُـهُ كَحسَنِ الْكَلَامِ ، وَقَبِيْحُهُ كَقَبِيْحِ الْكَلَامِ .)) [صحيح لغيره]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شعر بھی کلام کی طرح ہے۔ جو اس سے اچھا ہے وہ اچھے کلام کی طرح ہے جو برا ہے وہ برے کلام کی طرح ہے۔''



نبی ﷺ کے داعیانہ اوصاف

مولانا محمد یوسف اصلاحی

اجتماعی جدوجہد:

اللہ کے رسول ﷺ نے دین کی اشاعت واقامت کے لیے محض انفرادی کوششیں ہی نہیں کیں، بلکہ ایک نہایت مضبوط اور منظم جماعت بنا کر اجتماعی جدوجہد کی، آپ ﷺ کی بے مثال عظمت وشخصیت سے کون انکار کرسکتا ہے لیکن دین کی اقامت کے لیے آپ ﷺ نے بھی اجتماعی جدوجہد فرمائی، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اجتماعی جدوجہد کے بغیر دین کی اقامت کا فریضہ انجام دینا ممکن نہیں۔ آپ ﷺ نے باطل کے مقابلے میں ایک منظم جماعت تشکیل دی اور اس جماعت نے کندھے سے کندھا ملا کر باطل کے خلاف جنگ کی۔ اللہ کو اس جماعت کی یہ منظم اور اجتماعی جاں نثاری اور سرفروشی اس قدر پسند آئی کہ اس کو اپنا محبوب قرار دیا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ [الصف: ٤]

''بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھے لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

اس جماعت کو اللہ نے اس لیے اپنی محبوبیت کا شرف بخشا کہ یہ سیسہ پلائی دیوار بن کرحق کو غالب کرنے کے لیے باطل کے مقابلے میں آئی۔ اور منظم جماعت بن کر ان فداکاروں نے باطل کا مقابلہ کیا اور دنیا میں ایک نئی تاریخ کا باب کھولا۔

اللہ نے رسول ﷺ کی بعثت کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبة: ٣٣]

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے، چاہے مشرکین کو یہ بات کتنی ناگوار ہو۔''

دین حق سے مراد وہ آسمانی نظامِ بندگی ہے، جس کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ اقتدار کا مالک تنہا وہ اللہ ہے جو ساری کائنات کا خالق وپروردگار ہے۔ وہی انسان کا حقیقی مالک، معبود اور حاکم ہے اور عبادت واطاعت صرف اسی کا حق ہے۔ یہی وہ دین حق ہے جو ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کے لیے آتا رہا ہے، اور اسی دین حق کے ساتھ اللہ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو بھی بھیجا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ۲۳ سالہ حیاتِ نبوت میں اسی دین کو غالب اور نافذ کرنے کی مبارک سعی فرمائی۔ اس دورِ سعادت میں دین کو ہمہ گیر غلبہ حاصل ہوا اس دور میں دین حق کو فکری اور ذہنی غلبہ بھی حاصل تھا، اس سے انفرادی زندگیاں بھی آراستہ تھیں اور اس دین کو سیاسی اور مادی غلبہ بھی حاصل تھا۔ اور دین کو غالب کرنے کے لیے ہی نبی ﷺ اور آپ کے سچے جاں نثاروں نے اللہ کی اس ہدایت پر عمل کا حق ادا کیا جو سورۂ توبہ میں بعثت رسول ﷺ کا مقصد بتانے والی آیت کے دو ہی آیتوں کے بعد دی گئی ہے:

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ﴾ [التوبة: ٣٦]

''اور مشرکوں کے مقابلے میں سب متحد ہوکر لڑو۔ جس طرح وہ سب تمہارے مقابلے میں متحد ہوکر لڑتے ہیں۔''

یعنی دین کو قائم کرنے اور پورے دین کو نافذ اور غالب کرنے

کے لیے منظّم باطل کے مقابلے میں سارے مادّی وسائل سے مسلح ہو کر اجتماعی منظّم جدوجہد کرو۔ اور جس طرح اہل باطل تمہارے مقابلے میں منظّم ہیں تم بھی متحد اور منظّم ہو کر ان کا مقابلہ کرو۔

دراصل منظّم برائی اور چھائے ہوئے باطل نظام کے بجائے اللہ کے پسندیدہ نظام حق کو قائم کرنے کے لیے اللہ پرستوں کی انفرادی کوششیں، انفرادی تزکیہ نفوس، پر سوز دعائیں، خشوع وخضوع کی عبادتیں، اور ذکر وفکر ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان سب کے ساتھ ساتھ مضبوط اور منظّم اجتماعیت، ایک قائد کی سرکردگی میں، ٹھوس، منظّم اور مسلسل اجتماعی جدوجہد بھی لازمی ہے۔ اس کے بغیر منظّم منکر اور چھائے ہوئے باطل کو ہٹا کر زندگی کے ہر شعبے میں معروف کو قائم اور نافذ کرنا ممکن نہیں منظّم باطل کو منظّم اجتماعی کوشش کے ذریعے ہی مٹایا جاسکتا ہے اور حق کو قائم کرنے کے لیے منظّم انقلابی جدوجہد ناگزیر ہے۔ یہ عقل وبصیرت کا تقاضا بھی ہے اور اللہ کا عائد کیا ہوا فریضہ بھی۔ اس سے پہلو تہی دراصل حق کی اطاعت سے پہلو تہی ہے اور اس جدوجہد میں جان کھپانا، اور اجتماعی جدوجہد میں وقت، مال اور جان کی قربانی دینا عین دین داری ہے۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ جماعتی زندگی گزاریں اور دین کے لیے اجتماعی جدوجہد کرتے رہیں۔

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ.

[مشکوٰۃ، مسند، احمد، ترمذی]

''میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں، جماعت کا، سننے کا، اطاعت کا، ہجرت کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا۔''

اس ہدایت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان جماعتی زندگی گزاریں، اپنا ایک سربراہ منتخب کریں، اس کے حکم کو سنیں اور اس کی اطاعت کریں، دین کے لیے اپنا وطن بھی چھوڑیں اور دین کو قائم اور غالب کرنے کے لیے ہر طرح کی اجتماعی جدوجہد کریں ضرورت ہو تو مسلح جدوجہد بھی کریں۔

دین کی بنیاد پر بننے والی اجتماعیت اور دین کی اشاعت واقامت کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنے والوں کی قدر وقیمت اللہ کی نظر میں کیا ہے اس کی ایک جھلک ذیل کی حدیث میں ملاحظہ کیجیے۔

عمر بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

''قیامت کے دن خدائے رحمٰن کے داہنے جانب کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ تو نبی ہیں اور نہ شہید مگر ان کے چہروں کا نور دیکھنے والوں کی نظر کو خیرہ کر رہا ہوگا۔ ان کے بلند مقام اور اونچے مرتبے کو دیکھ دیکھ کر نبی اور شہید خوش ہو رہے ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ! یہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا یہ مختلف قبیلوں اور مختلف بستیوں کے لوگ ہوں گے جو دنیا میں اسلام لائے اور قرآن سیکھنے اور سکھانے اور اللہ کو یاد کرنے کے لیے اکٹھا ہوتے تھے۔ اس طرح یہ لوگ بہترین پاکیزہ باتیں چنتے تھے جس طرح کھجور کھانے والا، اچھی اور لذیذ کھجوریں چنتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ ہی کے لیے آپس میں محبت کرنے والے ہیں، اور اپنے اللہ کو یاد کرنے کے لیے اکٹھے ہوتے تھے۔''

صبر وثبات:

''صبر'' داعی کی ایک بنیادی صفت ہی نہیں بلکہ بہت سی اہم صفات کی اساس ہے قرآنِ پاک کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر محض ایک اخلاقی خوبی ہی نہیں ہے بلکہ بہت سی اخلاقی خوبیوں کی بنیاد اور سرچشمہ ہے، قرآن میں ایک مقام پر اہل ایمان کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے:

﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ٥ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ [الرعد: ۲۳، ۲۴]

’’اور فرشتے ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے یہ کہتے ہوئے کہ تم پر سلام ورحمت ہو۔ یہ صلہ ہے تمہارے صبر کا، پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر۔‘‘

یہ نہیں کہا گیا کہ اوپر کی آیات میں مومنوں کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں یہ جنت ان کا صلہ ہے بلکہ کہا گیا یہ صلہ ہے صبر کا، گویا صبر ان تمام خوبیوں کا قائم مقام ہے، اس لیے کہ صبر ہی دراصل سرچشمہ اور بنیاد ہے دوسری تمام خوبیوں کا۔

صبر کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ آدمی دنیا کے مقابلے میں آخرت کے اجر وثواب کے لیے زندگی لگا سکے، اور دعوتِ دین کی راہ میں مردانہ وار قدم جما سکے۔

نبی ﷺ کو ہدایت دی گئی:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾

’’پس صبر وثبات اختیار کیجیے جس طرح اور عالی ہمت رسول صبر وثبات سے کام لیتے رہے ہیں۔‘‘ [الاحقاف: ۳۵]

قرآنِ پاک میں ہے حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اللہ کے دین کی دعوت استقلال کے ساتھ دیتے رہے، اور اس پوری مدت میں آپ کی شب وروز کی جدوجہد سے صرف چند نفوس ہی ایمان کی سعادت حاصل کر سکے، باقی سارے کے سارے طوفانِ نوح میں غرق کر دیئے گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ صبر کی عظیم مثال ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کی کوششوں کا نتیجہ جلد از جلد سامنے آئے۔ اور وہ جلد از جلد اپنی سرگرمی کا ثمرہ دیکھے ...... داعی کی فطری خواہش بھی یہی ہوتی ہے کہ اس کی مبارک کوششوں کا نتیجہ بھی جلد برآمد ہو اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنی جدوجہد کا ثمرہ دیکھے ...... لیکن اسے ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی کوششوں کے نتائج دیکھنے کے لیے بے تابی کا مظاہرہ نہ کرے اور یہ دیکھ کر جی نہ چھوڑ بیٹھے کہ کوششوں کے نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں۔

صبر کے کئی پہلو ہیں، مگر ہم ان سارے پہلوؤں کو تین جامع عنوانوں میں سمیٹ سکتے ہیں۔

- اپنے جذبات اور خواہشات پر قابو رکھنا۔
- سخت سے سخت حالات میں حق پر جمے رہنا، اور کسی قیمت پر بھی اپنے اصولوں سے نہ ہٹنا۔
- راہِ حق میں آنے والی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا۔

جذبات اور خواہشات پر قابو رکھنے کے معنی یہ بھی ہیں، کہ آدمی ہر طرح کے لالچ اور نفسانی خواہشات سے اپنے کو روکے اور یہ بھی کہ وہ متحمل، بردبار اور مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہو۔

قرآنِ پاک میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت دی گئی۔

﴿وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا o﴾

’’اور سہتے رہیے ان کی دل آزار باتوں کو اور ان سے اچھے انداز میں کنارہ کشی اختیار کیجیے۔‘‘ [المزمل: ۱۰]

یعنی ان کے بیہودہ الزامات، لغو باتوں کا آپ کوئی اثر نہ لیجیے طبیعت میں ہرگز اشتعال نہ پیدا ہونے دیجیے بلکہ اچھے انداز میں درگزر کیجیے اور تحمل، بردباری، وقار اور اعلیٰ ظرفی سے کام لے کر ان کے پاس سے ہٹ جایئے۔

ایک دوسرے مقام پر ہدایت دی گئی ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [الکہف: ۲۸]

’’اور اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے جو صبح وشام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں اس کی رضا کے طالب بنے ہوئے ہیں۔ ان کی طرف سے کبھی نگاہیں نہ پھیریئے کہ آپ دنیا کی آرائشیں چاہنے لگیں۔‘‘

داعیٔ اعظم ﷺ نے ان ہدایات کو کس طرح جذب کیا، اور کس مثالی صبر وثبات کا مظاہرہ کیا۔ اس کی ایک جھلک دیکھئے۔

نجاشی نے کفارِ قریش کو جب مایوس اپنے دربار سے لوٹا دیا تو انہوں نے باہمی مشورے سے ایک اور اسکیم تیار کی اور مکہ کا مشہور سرمایہ دار عتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا۔

''میرے بھتیجے محمدؐ! تم نے جو یہ دھندا پھیلا رکھا ہے، اگر تم اس کے ذریعے مال ودولت جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمہارے لیے اتنا کچھ جمع کر دیں گے کہ تم مالا مال ہوجاؤ گے اگر تم عزت ووقار کے خواہش مند ہو، تو ہم سب تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں، اگر تمہیں بادشاہ بننے کی آرزو ہے تو ہم تمہیں عرب کا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔ جو تم چاہو ہم کرنے کے لیے تیار ہیں، مگر تم اپنا یہ دھندہ چھوڑ دو۔''

عتبہ کی گفتگو کے جواب میں داعی اعظم ﷺ نے فرمایا: نہ مجھے مال کی ضرورت ہے اور نہ میں عزت وحکومت کا بھوکا ہوں، اگر تم میری حقیقت سمجھنا چاہتے تو تو قرآن کی ان آیتوں پر غور کرو، پھر آپ نے چوبیسویں پارے کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اللہ کا کلام سن کر عتبہ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی وہ ہاتھوں پر سہارا دیئے گردن پیچھے کی طرف ڈالے سننے میں محو تھا۔ اور آخر کار چپ چاپ اٹھ کر چلا آیا قریش کے لوگ منتظر تھے کہ عتبہ کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ عتبہ کے پہنچتے ہی لوگوں نے پوچھا۔ کہو کیا خبر لائے ہو؟

عتبہ: میں تو محمد ﷺ کی زبان سے عجیب وغریب کلام سن کر آیا ہوں۔ یہ کلام نہ تو شاعروں کی شاعری ہے، نہ کاہنوں کے تیر تکے ہیں، نہ جادو منتر ہے ...... وہ تو کچھ اور ہی ہے ......تم میرا کہنا مانو اور میرے کہے پر چلو ......محمد ﷺ کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ سرداروں نے عتبہ کی زبان سے یہ کلمات سنے تو کہا......معلوم ہوتا ہے عتبہ پر بھی محمد ﷺ کا جادو چل گیا ہے۔

قریش جب اس اسکیم میں بھی ناکام ہوئے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔ سارے سردار اکٹھے ہوئے۔ حضور کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچے اور کہا:

''برداشت کی حد ہوگئی، آپ اپنے بھتیجے کو ان حرکتوں سے روکیے ورنہ ہم اس کا کام تمام کردیں گے۔''

تمام قریش کی مخالفت دیکھ کو بوڑھے چچا کا دل بھتیجے کی محبت سے بھر آیا۔ آپ کو بلا کر نہایت پیار اور دلسوزی سے کہا، ''بھتیجے! مجھ بوڑھے پر ترس کھاؤ اور توحید کی اس دعوت سے باز آؤ۔ میں کمزور بوڑھا کب تک تمہاری حمایت کرسکوں گا۔''

داعی اعظم ﷺ نے فرمایا: چچا اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں توحید کی دعوت سے باز نہ آؤں گا۔ اور اللہ کے حکم میں ذرّہ بھر کمی بیشی نہ کروں گا چاہے اس راہ میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

دعوت الی اللہ کی ذمہ داری عظیم ترین ذمہ داری ہے، اس کا حق وہی ادا کرسکتا ہے جو صبر وثبات کی دولت سے مالا مال ہو، جو حق پر جمے رہنے کے لیے ہر لالچ، ہر خوف اور ہر خواہش نفس پر قابو پاسکے، جو خوشی خوشی اس راہ کی تمام مشکلات اور پریشانیوں کو برداشت کرسکے اور ہر طرح کے خطرات اور اذیتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرکے باطل کے مقابلے میں چٹان کی طرح جما رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی۔

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ﴾ [یونس: ۱۰۹]

''آپ اس ہدایات کی پیروی کیجیے جو آپ ﷺ کی طرف نازل کی جارہی ہے، اوراس پر مضبوطی سے جمے رہیے۔''

پھر اللہ نے آپ ﷺ کو تلقین فرمائی:

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ o﴾ [البقرۃ: ۲۵۰]

''اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے، ہمارے قدم جما دے، اور کافر گروہ کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

قرآنِ پاک میں ایک مقام پر دعوت الی اللہ کی فضیلت وتحسین فرمانے کے بعد داعی حق کو ہدایت دی گئی ہے کہ برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔ اس طرز عمل سے کٹر دشمن بھی تمہارے جگری دوست بن جائیں گے۔

قرآنِ پاک کی اس ہدایت کی تشریح کرتے ہوئے حضور ﷺ کے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''دعوت کا فریضہ انجام دینے والوں کو صابر اور بردبار ہونا چاہیے۔ لوگ اگر غصہ دلانے والی حرکتوں پر اتر آئیں تو ایسے موقع پر

غصہ کا جواب غصہ سے نہ دیں، غصہ آئے تو اُسے تھوک دیں، ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کی اللہ حفاظت فرمائے گا۔ دشمن ان کے آگے جھک جائے گا اور ان کا گہرا دوست اور پر جوش حامی بن جائے گا۔

اُحد کی جنگ میں جس بہادری، استقلال اور ثابت قدمی کا ثبوت آپ ﷺ نے دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے، اللہ کی قسم جب لڑائی ہوتی تو حضور ﷺ ہم سب سے آگے ہوتے اور ہم لوگ آپ ﷺ کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے اور ہم میں سب سے زیادہ بہادر وہ سمجھا جاتا جو نبی ﷺ کے ساتھ ہوتا۔

مصائب کے مقابلے میں جمنے اور سخت سے سخت حالات میں بھی قدم جمائے رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی:

أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ. [بخاری، مسلم]

''لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی آرزو نہ کرو۔ اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو۔ ہاں جب دشمن سے مقابلہ ٹھن جائے تو ثابت قدم رہو، اور خوب سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔''

نبی ﷺ نے اللہ کی راہ میں جو مصائب برداشت کیے اور آزمائش وآلام کے جن جن مرحلوں سے گزرے ان کے تصور ہی سے دل لرزنے لگتا ہے، اور یہ حقیقت کہ ان دل ہلا دینے والے مرحلوں میں آپ ﷺ نے صبر وثبات کا جو نمونہ پیش کیا۔ وہ صرف آپ ﷺ ہی کا حق ہے خود آپ ہی کا ارشاد ہے:

''مجھے اللہ کی راہ میں اتنا اتنا ڈرایا گیا کہ آج تک کوئی انسان اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ اور مجھے اللہ کی راہ میں ایسا ایسا ستایا گیا کہ آج تک کوئی انسان اتنا نہیں ستایا گیا۔ اور ہم پر تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور بلال رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی چیز نہ تھی جسے کوئی انسان کھا سکے، سوائے اس معمولی توشے کے جو بلال رضی اللہ عنہ کی بغل میں تھا۔''



وضاحت

الاعتصام شمارہ 07/63 کے مضمون ''مسجد نبوی کی تعمیر کا ایمان افروز منظر'' میں ترغیب کے حوالے سے ایک حدیث نقل ہوئی جس میں مسجد نبوی میں نماز کے بارے میں اجر وثواب کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہ اجر وثواب عام مساجد میں نماز ادا کرنے سے بھی ملتا ہے اس میں مسجد نبوی ﷺ کی تخصیص نہیں۔

(ادارہ)

انتقال پر ملال

حکیم صفی اللہ ساجد کی والدہ محترمہ ۱۱ جنوری ۲۰۱۱ء بروز منگل وفات پا گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ میاں محمد رحمہ اللہ (ڈندہ شاہ بلاول تحصیل تلہ گنگ) کی زوجہ محترمہ تھیں۔ توحید کے عقیدے پر پابند اور نیکوکار خاتون تھیں۔ احباب سے مغفرت کی دعا کی درخواست ہے۔

(قاری شاہ محمد ربانی)

میلا دنبوی ﷺ اور موضوع روایات

افادات: مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ ......مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ

سر چشمہ اوّل:

ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں، جو اصولِ فن حدیث کی بنا پر صحیح تسلیم کیا جا سکے اور جس کو کتب معتبرہ محدثین میں روایت کیا گیا ہو۔ صحاح ان قصص سے خالی ہیں۔ عام مسانید ومعاجم اور مصنفات مشہورہ میں بھی کوئی لائق احتجاج ثبوت نہیں ملتا۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ''جمع الجوامع'' میں جمع احادیث کا پورا التزام کیا ہے، لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ان روایات کا اس میں بھی کہیں پتا نہیں۔ ''کنز العمال'' میں متعدد ابواب تھے، جہاں یہ روایات آ سکتی تھیں مثلاً معجزات من قسم الاقوال کے باب اعلام ودلائل نبوت ہیں، لیکن ایک اثر بھی وہاں درج نہیں کیا گیا۔ قسم الافعال میں ولادت کا مستقل باب موجود ہے مگر وہ نہایت مختصر ہے اور صرف چند آثار، تاریخ وایام ولادت کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان واقعات کا کہیں ذکر نہیں۔ معجزات ولادت میں صرف دو چار روایتیں آنحضرت ﷺ کے مختون پیدا ہونے کی نسبت البتہ درج کی ہیں، لیکن وہ تمام تر ابن عساکر رحمہ اللہ کی ہیں، جن کی نسبت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وفیھا احادیث کثیرۃ ضعیفۃ موضوعۃ وھینۃ.

پھر ان سب کے راوی اوّل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور اس لیے تمام روایات ولادت کی طرح یہ روایت بھی منقطع ہے، پس قابل احتجاج نہیں۔ ''کنز العمال'' کے باب قسم الافعال میں دلائل واعلام نبوت کے عنوان کے نیچے دو تین طول طویل روایتیں ابن عساکر رحمہ اللہ وغیرہ سے لے کر درج کی ہیں جن میں نہایت بے سروپا قصے بیان کیے ہیں اور یقیناً یکسر موضوع ہیں۔ تاہم ان میں بھی ان واقعات ولادت کا کہیں پتا نہیں۔

روایات حافظ ابونعیم رحمہ اللہ:

پس دراصل ان قصص کا سرچشمہ وحید اور مبدء اوّل وہ تین طولِ طویل حدیثیں ہیں جن کو ابونعیم صاحب دلائل نے عمرو بن قتیبہ، ابن عباس اور خود حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت سے روایت کیا ہے اور یہی روایات ہیں کہ آگے چل کر قصاص ومجلس آرا واعظوں نے اپنی گرمی مجلس کے لیے ان کا استقبال کیا پھر تمام قصص وحکایات، کتب سیر متاخرین میں داخل ہو گئیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبریٰ کی پہلی جلد میں ان تینوں روایتوں کو نقل کیا۔ ان میں سے ہر روایت ایک ایک صفحے کی ہے۔

حافظ ابونعیم رحمہ اللہ کی حیثیت:

لیکن یہ تینوں روایتیں قطعاً بے اصل ہیں۔ وجوہ درج ذیل ہیں:

۱: حافظ ابونعیم رحمہ اللہ پانچویں صدی کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ذہبی نے انہیں تیرھویں طبقے کے ذیل میں شمار کیا ہے اور ''تذکرہ الحفاظ'' میں مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ ان کی جلالت مرتبت سے انکار نہیں، لیکن کیا کیجیے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کی نسبت مسلّم ہے کہ فضائل معجزات میں رطب ویابس اور ضعیف وموضوع ہر طرح کی حدیثیں درج کر دیا کرتے تھے یا تو یہ حسن اعتقاد کی وجہ سے تھا یا پھر اعتماداً علی الناس کہ لوگ خود درجہ صحت وضعف کو تحقیق کر لیں گے۔ یہاں تک کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو ابوالشیخ اصفہانی رحمہ اللہ کے ذکر میں لکھنا پڑا۔

وفیھا احادیث کثیرۃ قویہ صحیحۃ وحسنۃ واحادیث کثیرۃ ضعیفہ وموضوعہ وکذلک ما یرویہ ابونعیم فی فضائل الخلفا فی کتاب مفرد فی اوّل حلیۃ الاولیاء . [کتاب التوسل]

''اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی وحسن ہیں اور بہت سی ضعیف وموضوع ہیں۔ یہی حال ان احادیث کا ہے جو ابونعیم نے خلفاء کے فضائل میں بصورت ایک مستقل کتاب کے روایت کی ہیں حلیۃ الاولیاء کی ابتداء میں۔''

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی شہادت پر شاید بعض پرستاران سبکی وابن حجر مکی چیں بہ جبیں ہوں۔ مگر یہ واضح رہے کہ علامہ موصوف کے رسوخ حدیث وحفظ وضبط واتقان فن کا وہ ارفع واعلیٰ مقام ہے، جس سے ان کے سخت سے سخت مخالف کو بھی کبھی انکار کی جرأت نہ ہوسکی۔ حدیث "کنت نبیا وآدم بین الماء والطین" کو علامہ موصوف نے موضوع لکھا تھا۔ حافظ ابوالخیر (سخاوی) ایک فتوے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے علم واسع اور حفظ حدیث پر اعتماد کرلینا، اعتماد کے لیے کافی ہے جس کا موافق اور مخالف دونوں کو اقرار ہے۔''

سخاوی رحمہ اللہ کا یہ قول زرقانی رحمہ اللہ نے ''مواہب'' کی شرح میں نقل کیا ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول اس موقع پر یاد کرلینا چاہیے، جو کہتے ہیں کہ

ما رایت اشد استحضاراً للمتون وغورھا منہ وکانت السنۃ بین عینیہ ولسانہ بعبارۃ وشیقۃ وعین مفتوحہ .

حافظ ابونعیم کے اس تساہل، موضوعات پر سکوت اور نقل وجمع روایات میں بے احتیاطی کی شکایت صرف علامہ موصوف ہی کو نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر واضح ثبوت اس کے لیے موجود ہے۔ یہی حافظ ذہبی رحمہ اللہ جنہوں نے تذکرہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ ''میزان'' میں حافظ ابونعیم اور ان کے معاصر ابن مندہ کے باہمی طعن وقدح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا اقبل قول کل منھما فی الآخر وھما عندی مقبولان لا اعلم ذنبا اکبر من روایتھما الموضوعات ساکتین علیھا .

''میں ان دونوں میں سے کسی کے طعن کو دوسرے کے حق میں قبول نہیں کرتا۔ میرے نزدیک دونوں مقبول ہیں۔ مجھے ان دونوں کا گناہ اس سے بڑھ کر تو کوئی نہیں معلوم کہ وہ جھوٹی حدیثیں روایت کرتے ہیں اور اس کی نسبت سکوت اختیار کرلیتے ہیں۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ غفلت ان کی مقبولیت میں خلل انداز نہیں لیکن افسوس کہ اسی خطرناک مقبولیت نے ان موضوعات وحکایات کو قوم میں پھیلا دیا، جن کی وجہ سے آج اسلام کو شرمندۂ اغیار اور ہدفِ طعنۂ مخالفین واجانب بننا پڑتا ہے۔

سلسلہ منقطع:

۲: اب ان روایات پر نظر ڈالیے۔ میں اس وقت یہ بحث چھیڑنا نہیں چاہتا کہ درایۃً ان کے مطالب کس درجہ قابل اعتراض وانکار ہیں، کیوں کہ کہہ چکا ہوں، پہلی چیز نفس روایت کی صحت وعدم صحت ہے۔ ان روایات میں پہلی عمرو ابن قتیبہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا "وکان من اوعیۃ العلم" انہوں نے اپنے والد کی فضیلت علمی تو بیان کردی لیکن کچھ نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ واقعہ کیوں کر معلوم کیا اور کس اعتماد پر بیان کررہے ہیں؟ ذکر ولادت کی اکثر روایتیں منقطع ہیں (یعنی واقعہ تک راوی کا سلسلہ نہیں پہنچتا) لیکن یہ روایت منقطع روایات میں بھی بدترین منقطع ہے۔ دوسری روایت کے راوی اوّل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما واقعہ ولادت نبوی کے پچاس برس بعد پیدا ہوئے ہیں۔ نہیں معلوم

انہوں نے کس سے سنا۔ پھر باقی روایت کا پتا نہیں۔

تیسری روایت کا معاملہ:

تیسری روایت میں خود تصریح کردی ہے کہ ''بسند ضعیف'' لیکن راوی کے اس انکسار طبع پر ہم قانع نہیں ہوسکتے، کیوں کہ یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ سرے سے موضوع ہے۔ روایت خود حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے ہے، جو بطور جملہ معترضہ کے آغاز حدیث میں کہتے ہیں:

ولد اخی عبدالله، وهو اصغرنا.

''میرا بھائی عبداللہ پیدا ہوا اور وہ ہم تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔''

صرف یہی جملہ معترضہ اس روایت کے موضوع ہونے کے لیے ایک محکم اندرونی شہادت ہے کیوں کہ بالاتفاق یہ مسلّم ہے کہ حضرت عبداللہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے بڑے تھے نہ کہ چھوٹے۔

حافظ ابن عبدالبر ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' میں لکھتے ہیں:

عباس ابن عبدالمطلب عم رسول الله يكنى ابا الفضل بابنه الفضل وكان العباس اسن من رسول الله بسنتين وقيل بثلاث سنين.

''عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اپنے لڑکے فضل کی نسبت سے ابوالفضل کنیت رکھتے تھے ان کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو برس زاید تھی اور بعض نے کہا کہ تین برس۔'' [کتاب مذکور، ج:۲،ص:۴۹۷]

جب خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عمر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صرف دو تین برس زیادہ تھی تو وہ آپ کے والد سے کیوں کر بڑے ہوسکتے تھے؟ معلوم ہوتا ہے کہ جس نادان نے یہ قصہ گھڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے یا تو اس غریب کو اس کی خبر نہ تھی یا جانتا تھا اور روایت کو معتبر بنانے کے لیے قصداً یہ ٹکڑا داخل کردیا تا کہ ضمناً ایک دوسرا مغالطہ دے کر روایت کو انقطاع سے محفوظ ثابت کردے۔

فكفى بذالك كذبه وبهتانه على رسول الله ﷺ وعمه، ومن كذب عليه متعمداً فليتبوأ مقعده فى النار.

حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی شہادت:

۳: ایک سب سے بڑی دلیل واضح ان روایات واہیہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی یہ ہے کہ خود حافظ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ان روایات کو نقل نہیں کیا۔ حالاں کہ اس میں ہر طرح کی ضعیف ومنکر روایتیں بلا تامل جمع کردی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود حافظ موصوف کے نزدیک یہ روایات اس درجہ واضح طور پر موضوع تھیں کہ وہ ضعیف ومنکر روایتوں میں بھی انہیں نہ لے سکے اور باوجود ان کے مذاق میں سب سے بڑے ذخیرۂ دلائل واعلام نبوت ہونے کے مجبوراً چھوڑ دینا پڑا۔

۴: لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک برہان قاطع اور شہادت واضح (جو فی الحقیقت ان روایات کے موضوع ہونے کا آخری فیصلہ کردیتی ہے) یہ ہے کہ خود حافظ سیوطی خصائص کبریٰ میں تیسری روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

هذا الاثر والاثران قبله فيها نكارة شديدة ولم اورد فى كتابى هذا اشد نكارة منها ولم تكن نفسى تطيب بايرادها (فتامل) لكنى تبعت الحافظ ابانعيم فى ذلك.

[خصائص کبریٰ، ج:۱، ص:۴۹]

''یہ روایت اور اس سے قبل کی جو دو روایتیں ہیں تو ان میں نہایت سخت وشدید انکار وقباحت ہے اور باوجود ان کے اشد شدید انکار کے میں نے اس کتاب میں جو درج کیا تو میرا دل اس اثر کو پسند نہیں کرتا تھا مگر میں نے محض حافظ ابونعیم کی پیروی کے خیال سے ایسا کردیا۔''

حافظ سیوطی رحمہ اللہ ہر طرح کی رطب ویابس روایتوں کے جمع

کرنے بلکہ ان سے استدلال کر دینے میں جس درجہ بے احتیاط اور تساہل پیشہ ہیں وہ اربابِ نظر سے مخفی نہیں، لیکن ان روایات کی لغویت کا یہ حال تھا کہ وہ بھی بایں ہمہ تساہل چپ نہ رہ سکے اور بے اختیار ہو کر انکار شدید کے ساتھ اس کی معذرت کرنی پڑی کہ محض حافظ ابونعیم کے اتباع کے خیال سے درج کر دیتا ہوں۔

وہ لکھتے ہیں کہ میرا جی نہیں چاہتا کہ ان روایتوں کو درج کروں۔ غور کیجیے کہ جن روایتوں کے درج کرنے سے حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی طبیعت بھی اعراض کرے وہ کس درجہ واہی ومزخرف ہوں گی؟

آج کل مناقب وفضائل اور واقعات وسیر میں مدعیانِ فن کی انتہائی سرحد حافظ سیوطی واقرانہ ہیں، لیکن یہ کیسا دلچسپ اقرار خود حافظ موصوف کا ہے کہ میں ہر طرح واہی ومنکر روایتیں لوگوں کے اتباع کے خیال سے درج کر دیتا ہوں۔

فتاملوا وتفكروا ولا تغروا باصحاب العمائم العجراء اذ قروها واجازوها، ان هم الا اصحاب اوهام وشقاشق يتقربون بها من العوام.

کسرا ایوان کسریٰ وغیرہ:

ابھی ایک چوتھی روایت باقی ہے جس میں آتش کدۂ ایران کے بجھ جانے، قصر نوشیرواں کے کنگروں کے گرنے، کاہنوں کے پراسرار وعجائب اظہارات اور ایک خطبہ کہانت کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ روایت بھی پورے دو صفحے کی ہے۔ سیوطی نے ''خصائص'' میں اور حافظ ابونعیم نے ''دلائل'' میں اسے درج کیا ہے۔ اگر نقل کروں تو پورے دو کالم مطلوب ہوں (یعنی ''الہلال'' کے) خلاصہ مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کی رات کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ محسوس ہوا اس کے چودہ کنگورے گر گئے۔ ایوان کی وہ آگ جو ہزار سال سے نہیں بجھی تھی، بجھ گئی۔ بحیرۂ سادہ خشک ہوگیا۔ نوشیرواں نے وزراء اور موبدوں کو جمع کر کے اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے بھی خواب دیکھا ہے، عرب میں کوئی انقلاب ہونے والا ہے۔ اس پر نوشیرواں نے نعمان بن منذر کے نام خط لکھا کہ عرب سے ایک ایسا شخص بھیج دو جو میرے ہر سوال کا جواب دے۔ نعمان نے عبدالمسیح نامی ایک کاہن کو بھیجا، لیکن اس نے اپنے سے زیادہ عالم سطیح کاہن شام کو بتلایا اور نوشیرواں کے سوالات لے کر وہ اس کے پاس گیا۔ سطیح مرض الموت میں گرفتار تھا۔ عبدالمسیح نے کہانت آمیز اشعار پڑھے اور جب اس نے سر اٹھایا تو کہا:

تهوى الى سطيح وقد اوفى على الضريح، بعثك ملك بني ساسان، لارتجالس الايوان وخمرد النيران ورويا الموبذان، راى ابلا صحابا تقود خيلاً عرابا وغيره وغيره.

سطیح مر گیا اور جواب کی مہلت نہ پائی۔ (پوری روایت کے لیے دلائل النبوۃ ا:۱۴۱ اور خصائص: ۱/ ۴۹ دیکھئے) لیکن یہ روایت بھی قطعاً ناقابل اعتنا ہے۔ اس کا راوی اوّل مخزوم ابن ہانی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ خود حافظ سیوطی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال ابن عساكر: حديث غريب لا نعرفه الا من حديث ابن مكزوم عن ابيه تفرد به ابو ايوب البجلى. [جلد اوّل، ص: ۵۱]

''ابن عساکر نے اس کی نسبت کہا ہے کہ حدیث غریب ہے جس کو سوائے ابن مخزوم کے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔''

اس روایت کے واقعات بہ تغیر الفاظ وحذف واضافہ بعض امور فضائل وحکایات کی کتابوں میں بہ کثرت ملتے ہیں، لیکن ان سب کی بنیاد یہی روایت ہے۔

والعبرة بما يروى المحدثون، لا بما يندى به القصاصون الكاذبون.

''اعتبار کے لائق محدثین کرام کی روایات ہیں نہ کہ جھوٹے داستان طرازوں کی بے سروپا گوئیاں۔''



پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی پیروی میں نجات

محمد سلیم چنیوٹی

نبی آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے لیے آخری پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی اُس کا شریک نہیں اسی طرح جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف میں بھی کوئی اِن کا شریک نہیں۔

اللہ کریم نے اپنے پیغمبر رحمت ﷺ کا مقام ومرتبہ اتنا بلند فرمایا کہ قیامت تک آنے والے انسانوں میں سب سے زیادہ فضیلت آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ کے آنے کی بشارت تمام آسمانی کتب وصحائف میں موجود ہے۔ آپ کا لقب رحمۃ للعالمین ہے۔ آپ کے اوصاف تا قیامت قائم ودائم ہیں۔ اُخروی زندگی میں بھی آپ ﷺ کا مقام ومرتبہ اسی طرح قائم رہے گا جس طرح اس فانی دنیا میں قائم رہا۔

نبی آخر الزماں ﷺ نبوت عطا ہونے سے قبل غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس وقت اچانک جناب جبریل علیہ السلام تشریف لے آتے ہیں۔ آپ ﷺ سے معانقہ کرتے ہوئے اس قدر زور سے دباتے ہیں کہ آپ ﷺ کو پسینہ آجاتا ہے۔ آپ ﷺ سے کہتے ہیں: اِقْـرَأْ ''پڑھو''۔ اس کے جواب میں جناب رسالت مآب فرماتے ہیں: مَـا اَنَـا بِقَـارِیءٍ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' پھر جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝﴾

''پڑھو اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا۔'' الخ

اس واقعے کے بعد نبی کریم ﷺ کی طبیعت پر غیر معمولی اثر ہوا۔ آپ ﷺ نے غارِ حرا سے اپنا سامان خور ونوش اٹھایا اور بوجھل قدموں سے گھر تشریف لے آئے۔ اپنی زوجہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمانے لگے:

زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ .

''مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔''

جناب رسالت مآب ﷺ کو نبوت عطا کر دی گئی تھی۔

بخار کی سی کیفیت طاری تھی۔ اسی اثنا میں امّ المومنین خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پیغمبر اکرم ﷺ کو تسلی وتشفی دیتی ہیں اور فرماتی ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ تو غریبوں اور مسکینوں پر بہت زیادہ مہربان ہیں۔ اللہ آپ کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ میں آپ کو ایک بزرگ ورقہ بن نوفل کے پاس لیے چلتی ہوں۔ وہ ایک بڑے بزرگ مسیحی عالم دین تھے۔ چناں چہ ورقہ بن نوفل کے پاس جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تو اس بزرگ نے اپنی آنکھیں کھول کر جب چہرۂ نبوت دیکھا اور آپ ﷺ کی بات سنی تو اس نے کہا:

''اے محمد ﷺ! تم وہی شخصیت ہو جس نے آخری نبی کا مرتبہ پانا ہے۔ تمہاری تمام نشانیاں تورات میں موجود ہیں۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ ﷺ کو شہر مکہ سے نکال دے گی اے کاش! آپ کی مدد کر سکتا۔ [صحیح بخاری: ۳]

یہ سب سے پہلی دلیل تھی آپ ﷺ کے آخری پیغمبر ہونے کی۔ آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی پیش گوئی تمام آسمانی کتب میں موجود تھی۔

قرآنِ کریم کی درج ذیل آیات کے مطالعے سے اس کی

وضاحت اس طرح دی گئی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠﴾ [الاعراف: ١٥٧]

''جو ایک ایسے نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتا ہے اور بری باتوں سے روک دیتا ہے اور ستھری چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتا ہے اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام بتاتا ہے۔ اور ان پر جو بوجھ اور طوق تھے انہیں ہٹاتا ہے۔ لہٰذا جو اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کے پیروکار ہیں جو اس پر اتارا گیا ہے، وہی پورے پورے کامیاب ہیں۔''

نبی آخر الزماں ﷺ سے قبل جتنے بھی پیغمبر اور رسول گزرے ہیں اور جتنی بھی آسمانی کتب (تورات، انجیل، زبور ودیگر صحائف) نازل ہوئی ہیں ان سب نے آخر الزماں پیغمبر ﷺ کے آنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ ان الہامی کتابوں میں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے اوصاف وصفات کا تذکرہ اور آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں نے آپؐ کے مبعوث ہونے کی جو خوشخبریاں اپنی اپنی امتوں کو دی ہیں اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی اپنی اُمتوں سے فرمایا کہ اگر کوئی ہمارے عہد میں ایسا پیغمبر آخر الزماں آجائے تو ہم سب اس کی پیروی کریں گے۔ سابقہ کتب کے علماء اور ان کے درویشوں کو آپ ﷺ کی بعثت مبارک کا سارا علم ہے۔ قرآنِ کریم کی تفاسیر میں اس بات کی تصدیق ہے کہ سابقہ کتب کے ماننے اور جاننے والے اس بات کو سمجھتے تھے کہ ایک پیغمبر آخر الزماں ضرور آئے گا۔

سوال یہ ہے کہ کیا جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی وہ شخصیت ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے؟

آیئے قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۸ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''آپ ﷺ فرما دیں میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا رسول ہوں جس کی تمام آسمانوں میں اور زمین میں حکومت ہے اس کے سوا کوئی حق دارِ عبادت نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، لہٰذا اللہ پر اور ایسے نبی امی پر جو اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ تم بھی ایمان لے آؤ اور اس کی پیروی کرو تا کہ راہ پا جاؤ۔''

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم تورات میں آپ ﷺ کی وہی صفت ہے جو قرآنِ کریم میں ہے۔ فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا﴾

''اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔''[الاحزاب: ٤٥]

ان صفات کے علاوہ تورات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو اَن پڑھوں کی پناہ گاہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ آپ کا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ رکھنے والا) ہے۔ آپ نہ فحش گو ہیں اور نہ سنگ دل، اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک فوت نہیں فرمائے گا۔ جب تک کہ آپ کے ذریعے ٹیڑھا دین سیدھا نہ فرما دے گا اور لوگ توحید کے قائل نہ ہو جائیں گے اور جب تک اللہ آپ کے ذریعہ پردوں والے دل، بہرے کان اور اندھی آنکھیں کھول نہ دے گا۔[تفسیر الطبری: ۱۱۳/۹]

نبی کریم ﷺ کا انکار جو بھی فرد یا جماعت کرے گی وہ یقیناً جہنم کا بیوپار کرے گی قرآنِ کریم میں فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾

''اور جو جماعت آپ کا انکار کرے اس کے لیے جہنم کا وعدہ ہے۔'' [ھود: ۱۷]

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت میں سے جو یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر اس حال میں مر جائے کہ اس چیز کے ساتھ ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔

[صحیح مسلم: ۱۵۳]

پھر فرمایا:

''جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ وہ کائنات کا خالق، مربی اور بادشاہ ہے۔ جس کے ہاتھ میں حکومت، زندگی اور موت ہے اور جس کا حکم کائنات پر جاری ہے۔''

لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے آخری رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو ایک امی نبی ہیں۔ جن کی پہلی کتابوں میں تم کو بشارت مل چکی ہے اور ان کی بعثت کا وعدہ کر لیا گیا ہے اور انہیں کی صفتیں تمہاری کتابوں میں ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کو جو مقام اور علو شان عطا فرمائی ہے اس پر ہم سب انسانوں کا فریضہ ہے کہ ہم اس عظمت وتوقیر کی پیروی کریں اور اللہ کے نور قرآنِ کریم پر عمل پیرا ہو کر اُخروی زندگی کو سنواریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل صالح کی توفیق سے نوازے، آمین۔

فکر ونظر

سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں انسدادِ دہشت گردی

ڈاکٹر محمد عبداللہ (شعبہ اسلامیات، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان)

دہشت کے معنی: ڈر خوف اور خطرہ اور دہشت گردی کے معنی خوف وہراس پھیلانا ہیں۔ [فیروز اللغات، ص:۶۵۸، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور]

انگریزی میں دہشت کے لیے Terror کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا، اور دہشت گردی کے لیے Terrorism کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں: تشدد اور دھمکی کا استعمال۔ [The Oxford Guide to the English Language. p:537]

دہشت گردی ایک عام اصطلاحی لفظ ہے، چناں چہ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو انسانی ذہن میں قتل، تشدد اور تباہی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ دہشت اور دہشت گردی میں کچھ فرق ہے جس کا اظہار درج ذیل تعریف سے ہوتا ہے۔

''دہشت کو برسر اقتدار سیاسی گروہ کے خلاف بعض سیاسی معاشی ومعاشرتی نظریات تبدیل کرنے کے لیے دباؤ کے طور پر استعمال کیے جانے کا نام دہشت گردی ہے، اس میں تشدد کے استعمال کی دھمکی بھی شامل ہے اور تشدد کا بھرپور استعمال بھی۔'' [انعام الرحمٰن سحری، دہشت گردی، ص:۴۳]

دہشت گردی کی سادہ الفاظ میں تعریف یوں کی گئی ہے:

''دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ وبچار کے بعد تشدد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ خاص سیاسی، مذہبی یا لسانی ونسلی مقاصد حاصل کیے جاسکیں۔ اگر یہ فعل مالی فوائد حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہو تو ایجنسی مذکورہ یا ریاست کو بھاری مالی نقصان سے دوچار کرے گا۔'' [ایضاً]

دہشت گردی کے بارے میں درج بالا آرا سے واضح ہوتا ہے کہ دہشت گردی وہ فعل ہے جس میں دہشت گرد انسانی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو اغوا کرکے بھاری تاوان طلب کیا جاتا ہے۔ املاک کو آگ لگا کر یا بم استعمال کرکے تباہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہوائی جہاز ہائی جیک کرلیے جاتے ہیں۔ مزید برآں جنسی تشدد، مال ودولت کی چوری اور راہزنی کے مختلف واقعات کے پس پردہ بھی دہشت گرد افراد کارفرما ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تعریف سے یہ بھی ثابت ہورہا ہے کہ دہشت گردی کا ارتکاب افراد بھی کرتے ہیں اور مختلف گروہ، تنظیمیں، بعض سیاسی جماعتیں و(نام نہاد) مذہبی گروہ بھی دہشت گردی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض حکومتیں بھی دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہوتی ہیں۔ دہشت گردی کی ان مختلف تعریفوں سے دہشت گردی کے مقاصد کا بھی پتا چلتا ہے کہ بعض مجرم یعنی دہشت گرد مال ودولت کی ہوس یا دیگر ذاتی مفادات کے لیے دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن عمومی طور پر دہشت گردی، سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔ بعض اوقات نفسیاتی مریض اور معاشرے کے بعض شکست خوردہ افراد بھی اپنی مایوسی کے باعث دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہوجاتے ہیں۔

دہشت گردی کی مختلف نوعیتوں اور صورتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ دہشت گردی صرف قومی یا ملکی سطح کا

مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمی مسئلہ ہے اور مختلف ممالک اور اقوام بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار ہیں۔ بین الاقوامی دہشت گردی کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں مثلاً کسی ملک کے خلاف بلاجواز اقتصادی پابندیاں لگا دینا، کسی قوم کو اپنے وسائل اپنے اختیار سے استعمال کرنے سے بزورقوت روکنا، کسی ملک میں مختلف حیلے بہانوں سے افواج داخل کر کے قتل عام کرانا، چھوٹے ممالک کو آپس میں لڑا کر ان کی توانائیاں ضائع کر کے انہیں کمزور کرنا، کسی قوم کو حق خود ارادیت سے محروم کرنا وغیرہ۔

بین الاقوامی دہشت گردی کے مقاصد اور صورتیں مختلف ہیں۔ امریکا کی مشہور زمانہ سی۔ آئی۔ اے (C.I.A) نے عالمی دہشت گردی کی تعریف یوں کی ہے:

''تشدد تباہی کا خوف پیدا کرنا ہی دہشت گردی ہے اور مقصد یہ کہ سیاسی عزائم حاصل کیے جائیں۔خصوصاً ان حالات میں جبکہ دہشت گردی کی کارروائیاں اربابِ اختیار پر اثر انداز ہونے کے لیے کی جائیں۔ ان کے رویے تبدیل ہوجائیں۔حکومتی لوگوں کی بے چینی عام لوگوں کی پریشانی اور ان کا خوف اور دہشت گرد تنظیم کی کامیابیاں اس مخصوص علاقے، ریاست یا حکومت کی سرحدیں پار کر کے عالمی سطح پر ہلچل پیدا کرسکیں۔'' [دہشت گردی،ص:۴۴]

دہشت گردی کے مرتکب افراد اور تنظیموں کو اس امر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ دہشت گردی کا شکار ہونے والے لوگوں کے اعزہ واقربا پر کیا گزرے گی اور نہ ان کے نزدیک اس چیز کی کوئی اہمیت ہے کہ املاک کے نقصان سے افراد اور ملکی معیشت کو کتنا نقصان پہنچے گا ایسے افراد اور گروہ اپنی ظالمانہ کارروائیوں پر نادم وپشیمان بھی نہیں ہوتے بلکہ مختلف حیلوں سے دہشت گردی پر مبنی اپنی کارروائیوں کے مختلف جواز پیش کرتے ہیں۔

دیگر جرائم اور دہشت گردی میں بہت بڑا فرق ہے۔ مثلاً چوری کرنا ایک جرم ہے لیکن دہشت گردی صرف جرم ہی نہیں بلکہ خوف وہراس پھیلانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔مختلف جرائم کے اثرات وقتی اور چند لوگوں تک محدود ہوتے ہیں لیکن دہشت گردی کے اثرات طویل المیعاد ہوتے ہیں اور پورا معاشرہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

دہشت گردی قومی وملکی سطح پر ہو یا عالمی سطح پر اس سے حکومت اور عوام دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ معاشرتی سکون تباہ ہوجاتا ہے۔ انسانی تمدن کی بنیاد منہدم ہوجاتی ہے اور انسانی زندگی کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں۔نتیجتاً زندگی مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے۔ دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے اور یہ پوری انسانیت کے لیے بہت بڑا المیہ ہے۔لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف اقوام اور مختلف ممالک نے اب تک انسداد دہشت گردی کے لیے کیا اقدامات اٹھائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں یا تو سنجیدہ کوششیں ہی نہیں کی گئیں۔ یا ادھورے اقدامات کیے گئے ہیں۔ یا اس مسئلہ کو مسئلہ ہی نہیں سمجھا گیا کہ بعض قوتوں کا مفاد اس چیز میں مضمر ہے کہ دہشت گردی کا سلسلہ جاری رہے۔

دنیا میں انسانوں کی اکثریت کسی نہ کسی مذہب کی ضرور پیروکار ہے۔مگر اکثر مذاہب میں دین اور دنیا کی تفریق کی وجہ سے اس مسئلہ کو مذہبی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی۔ حالاں کہ قریباً تمام مذاہب میں قتل وغارت گری جیسے افعال سے روکا گیا ہے اور ان کی مذمت کی گئی ہے لیکن اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں احترام حیات انسانی، جان ومال، اور عزت وآبرو کی حرمت کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کے لیے وعیدوں اور سزاؤں کا وہ تصور موجود نہیں جو اسلام میں موجود ہے۔ لہٰذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ انسداد دہشت گردی کے لیے اسلام کے قوانین واحکام کو مشعل راہ بنایا جائے۔ اس لیے کہ اسلام ایک الہامی، عالمگیر اور مکمل دین ہے۔

اسلام کے احکام معلوم کرنے کے بنیادی ذرائع اللہ کی کتاب

قرآنِ حکیم اور پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ جس طرح اسلام ایک عالمگیر دین ہے اسی طرح قرآن بھی ایک عالمگیر کتاب ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ ہی عالمگیر پیغمبر ہیں۔ انسدادِ دہشت گردی کے مکمل احکام قرآنِ حکیم اور سیرت رسول ﷺ، دونوں میں موجود ہیں لیکن زیرنظر مقالہ میں صرف سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں انسداد دہشت گردی پر بحث کی جائے گی۔

رسول اکرم ﷺ جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔ وہ قوم ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھی۔ اس قوم میں احترام انسانیت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ وہ ایسی جنگجو قوم تھی کہ ایک قتل کے نتیجے میں انتقاماً کئی قتل کیے جاتے اور دشمنی کا سلسلہ نسل در نسل چلتا اور قتل وغارت کا بازار گرم رہتا۔

مگر رسول اللہ ﷺ کی حکمت انقلاب کے نتیجے میں تھوڑے عرصہ کے اندر وہ قوم دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی۔ چناں چہ مختلف قافلے بے خوف وخطر ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کرتے اور اور کسی کی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آج دنیا میں انسانی جان و مال کی حرمت کا کوئی قانون کہیں نافذ ہے تو وہ اس انقلاب سے ضرور متاثر ہے جو انقلاب محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا کیا تھا۔ چناں چہ دہشت گردی (جس کا نشانہ عموماً انسانی جانیں اور اموال ہوتے ہیں) کے انسداد کے لیے سیرتِ نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، وہ انسانیت کی ہر قسم کی بھلائیوں کا سب سے بہترین منشور ہے۔ اس خطبہ میں جامع طور پر انسانی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس آخری خطبہ میں انسانی جان ومال کی عزت وحرمت کو انتہائی مؤثر اور دل نشین انداز میں واضح فرمایا، جس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

"عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ فی حجة الوداع الا ان احرم الایام یومکم هذا الا وان احرم الشهور الشهركم هذا الا وان احرم البلد بلدكم هذا الا وان دماء كم واموالكم عليكم هرام كحرمة يومكم هذا فی شهركم هذا فی بلدكم هذا." [سنن ابن ماجه، باب حرمة دم المؤمن وماله: ٢/٤٦٨]

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا، خبردار تمام دنوں میں سب سے زیادہ حرمت والا دن یہ ہے۔ خبردار تمام مہینوں میں سب سے زیادہ حرمت والا مہینہ یہ ہے، خبردار تمام شہروں میں سب سے زیادہ حرمت والا شہر یہ ہے۔ خبردار! تمہاری جان، تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے۔''

مؤمن کی جان ومال کی حرمت، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ اس بارے میں درج ذیل حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ اور یہ فرماتے (سنا) تو کتنا پاکیزہ ہے۔ اور تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے۔ تو کتنا عظیم اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ (لیکن) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، مومن کے جان ومال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے۔ اور ہمیں مومن کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیے۔'' [ایضاً]

کبیرہ گناہوں کی فہرست کافی طویل ہے لیکن کبیرہ گناہوں میں چار گناہوں کو اکبر الکبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں میں زیادہ بڑے گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ان چار میں قتل (ناحق) بھی شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

"عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال اكبر الكبائر الاشراك بالله وقتل النفس وعقوق

الوالدين وقول الزور ." [ایضاً]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہ (یہ ہیں) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور جان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض ." [ایضاً]

''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ کافروں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے ہیں یعنی قتل ناحق کے مرتکب ہوتے ہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"عن عبد اللهؓ قال قال رسول الله ﷺ اوّل ما یقضٰی بین الناس یوم القیامة فی الدماء ."

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔''

قتل ناحق کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"عن البراء بن عازب ان رسول اللهﷺ قال لزوال الدنیا اهون علی الله من قتل مومن بغیر حق ."

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ناحق قتل سے زیادہ سہل ہے۔''

بیان کی گئی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ انسانی جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک بہت زیادہ ہے خون ناحق کا شمار اکبرالکبائر میں ہوتا ہے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے قتل کا فیصلہ کیا جائے گا اور اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ناحق قتل سے زیادہ سہل ہے۔

ناحق قتل سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کو بغیر کسی شرعی سبب کے قتل کر دیا جائے۔ شرعی سبب کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے ثابت ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''کسی مسلمان کا خون کرنا حلال نہیں مگر تین باتوں میں سے ایک کے ساتھ: نکاح کے بعد زنا کرے، یا مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے، یا کسی کو بغیر حق کے مار ڈالے اور اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔''

قتل ناحق کی مختلف صورتوں میں ایک صورت دہشت گردی بھی ہے اس لیے کہ دہشت گرد بعض دنیاوی مقاصد کی تکمیل کے لیے بے قصور انسانوں کو بغیر کسی شرعی سبب کے موت کے گھاٹ اتارنے کے قبیح فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انسداد دہشت گردی اس وقت ممکن ہے جب دہشت گرد کو جرم ثابت ہونے پر قرار واقعی سزا دی جائے۔ اسلام نے مختلف جرائم کے لیے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان پر عمل درآمد سے نہ صرف عدل وانصاف کی تکمیل ہوتی ہے۔ بلکہ عبرت کا وہ سامان پیدا ہوتا ہے کہ جرائم میں کافی حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے۔ چوں کہ دہشت گردی میں کسی انسان کا قتل، قتل عمد کی مثل ہے۔ لہٰذا اس کی سزا وہی ہوگی جو قتل عمد کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے دو باتوں کا اختیار ہے چاہے اس کا فدیہ لے، چاہے قتل کرے۔''

قرآن وحدیث کی رو سے قتل کی سزا قصاص ہے اور چوں کہ دہشت گردی میں انسانی جان کا قتل، قتل عمد کی مثل ہے اس لیے ایسی دہشت گردی جس میں انسانی جان کو قتل کیا گیا ہو اس کی سزا بھی قصاص ہے۔ واضح رہے کہ قصاص میں مسلم وغیر مسلم کی بھی کوئی

تفریق نہیں ہے کیوں کہ قصاص کا حکم عام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں درج ہے کہ

''مسلمان کے قصاص میں کافر قتل کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور ذمی کے قصاص میں مسلمان اور ذمی کے قصاص میں ذمی قتل کیا جائے گا۔''

[فتاویٰ عالمگیری]

یہاں یہ واضح رہے کہ اس صورت میں قصاص نہیں کہ جب اولیاء مقتول معاف کردیں یا صلح کرلیں۔

رسول اللہ ﷺ کے درج بالا فرامین کی روشنی میں انسداد دہشت گردی کے لیے جو اصول ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱: لوگوں کے اذہان میں یہ تصور اچھی طرح راسخ کرنے کی کوشش کی جائے کہ اللہ تعالیٰ جو انسانوں کا اور پوری کائنات کا خالق ومالک ہے اس کے نزدیک انسانی جان ومال کی حرمت بہت زیادہ ہے تاکہ دہشت گردی کے عزائم رکھنے والے افراد میں خوف خدا پیدا ہو اور وہ اس بھیانک جرم سے باز رہیں۔

۲: تمام کبیرہ گناہوں، خواہ وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے ان کی قباحتوں اور برے انجام کا معاشرے میں احساس پیدا کرنا، خصوصیت سے یہ واضح کرنا کہ قتل ناحق انتہائی بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔

۳: روزِ آخرت پر ایمان کی پختگی انسانوں کو پاکیزہ اور پرامن زندگی گزارنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ اور انسان آخرت کے محاسبہ اور سزا کے خوف سے برائیوں سے بچتا ہے دیگر برائیوں کے ساتھ ساتھ قتل ناحق کے برے نتائج کو معاشرے کے سامنے واضح کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ احساس دلانے کی کوشش کی جائے کہ قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴: جو لوگ دہشت گردی جیسے ظالمانہ فعل کا ارتکاب کریں۔ ان سے کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے اور ان پر شرعی سزاؤں کے نفاذ میں بالکل تاخیر نہ کی جائے۔ کیوں کہ شرعی سزائیں عدل وانصاف پر مبنی ہیں اور لوگوں میں عبرت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، جس سے معاشرہ میں قتل وغارت گری اور دیگر جرائم کے عازم افراد کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور جرائم میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے اور امن وآشتی کو دنیا میں قائم کرنے کا علمبردار ہے۔ اس عظیم مقصد کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ جہاد ہے جب کہ بعض غیر مسلم قوتیں جہاد کو دہشت گردی کا نام دے رہی ہیں۔ حالاں کہ جہاد کے مقاصد اور دہشت گردی کے مقاصد ایک دوسرے کے متضاد ہیں، جہاد تو مدافعت وحفاظت خود اختیاری کے لیے کیا جاتا ہے۔ معاہدات کو بار بار توڑنے والوں کے خلاف کیا جاتا ہے۔ احترام انسانیت اور مظلوموں کی دست گیری کے لیے کیا جاتا ہے اور استعمار پسند حکومتوں کے خلاف کیا جاتا ہے۔

جب کہ دہشت گردی کے مقاصد ہی خوف وہراس پھیلانا اور قتل وغارت گری ہیں۔ لہٰذا جہاد اور دہشت گردی میں بہت بڑا فرق ہے۔ وطن عزیز پاکستان میں بھی دہشت گردی اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ جس کا انسداد نہایت ضروری ہے۔ اور یہ انسداد اس وقت ممکن ہے جب ملکی دہشت گردی کے اسباب ومحرکات معلوم کیے جائیں اور ان کے انسداد کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ چوں کہ اتباع سیرت ہی اجتماعی امن کی ضامن ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ اقدامات سیرتِ نبوی کی روشنی میں کیے جائیں تاکہ دہشت گردی کا مکمل خاتمہ ہو اور پورے ملک میں امن وامان کا بول بالا ہو۔

ہمارے ملک میں دہشت گردی کا سبب بننے والے اسباب ومحرکات میں سب سے پہلا سبب ہمارا فکری انحطاط ہے۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ہم نظریہ اسلام کے مطابق قانون سازی نہیں کرسکے۔ چوں کہ ہمارے ہاں دینی اقدار کی صحیح طور پر ترویج نہیں ہوئی۔ اس لیے دینی اقدار کو اختیار کرنے میں ہم سخت

کاہلی اور سستی کا شکار ہیں۔ عقائد کی پختگی اور اعمال صالحہ کی انجام دہی ہی ہمیں دہشت گردی جیسی برائیوں سے روک سکتی ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا سبب ہمارا معاشرتی نظام ہے جس میں اخوت، ہمدردی، مساوات، ایثار، درگزر جیسے اخلاق حسنہ پر عمل کرنے کا رجحان دن بہ دن کم ہوتا جارہا ہے اور اجتماعی انصاف کا فقدان ہے۔ معاشرتی ناہمواریاں بھی جرائم پر آمادہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ دہشت گردی کا تیسرا سبب ہمارا معاشی نظام بھی ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور فقر وغربت جرائم کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہمارا تعلیمی نظام، دہشت گردی کے محرکات میں چوتھا بڑا محرک ہے۔ آزادی کے بعد طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ہم اپنے بنیادی نظریہ یعنی اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کو مدوّن نہیں کرسکے۔ ہمارا نصابِ تعلیم نہ تو ہماری دینی ضروریات پوری کرتا ہے اور نہ دنیوی ضروریات کی تکمیل کا اس میں سامان موجود ہے۔ مزید برآں نئی نسل کی اکثریت زیور تعلیم وتربیت سے محروم ہے جس کے نتیجے میں جہالت بڑھ رہی ہے۔ نظریاتی تعلیم کا فقدان اور نظریہ اسلام کے مطابق نئی نسل کی تربیت نہ کرنا بھی وہ بنیادی عوامل ہیں جو قوم کو بے راہروی کی طرف لے جارہے ہیں اور جرائم عام ہورہے ہیں۔

ہمارے ملک میں دہشت گردی کا سبب بننے والے مختلف اسباب ومحرکات یعنی فکری انحطاط، معاشرتی ناہمواریوں، معاشی خرابیوں اور تعلیمی انحطاط کے تدارک کے لیے ہمیں سیرتِ نبوی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، جس میں ہمارے لیے مکمل رہنمائی موجود ہے۔



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

الاعتصام کا حجیت حدیث نمبر ۱۹۵۶ء/۲۰۱۰ء

تبصرہ نگار: مولانا عبدالوکیل ناصر

الحمدللہ تعالیٰ حجیت حدیث وسنت کا مسئلہ فی زمانہ بالکل ظاہر وباہر ہو چکا ہے اور عمومی طور پر منکرین حدیث کسی صاحب علم ومطالعہ شخص سے براہِ راست گفتگو سے بھاگتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ بفضل اللہ تعالیٰ اہل علم کا وہ قیمتی کام ہے جو انہوں نے اس فتنہ انکارِ حدیث کے ردّ اور دفاع حدیث کی خدمت میں سرانجام دیا ہے۔ تقبل الله سعيهم

ماضی بعید وماضی قریب ہر دو زمانوں میں علم صحیح اور علم نافع کے حاملین وعاملین نے اپنے اپنے عہد کے مقتضیات کے مطابق دفاع حدیث کی خدمت کو سرانجام دیا۔ جس میں مناظرے بھی ہیں اور مناقشے بھی، تقاریر بھی ہیں اور تحریریں بھی۔ اور آج وہ سب کچھ مرتب ومدوّن شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔

ملک عزیز پاکستان میں اسی تناظر میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور کی اشاعت خاص بنام ''حجیت حدیث نمبر'' منظر عام پر آئی تھی۔ یہ تقریباً ۱۹۵۶ء کی بات ہے اس وقت اس مجلّہ کے مدیر شہیر، مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی حفظہ اللہ تھے۔

اور سب جانتے ہیں کہ اس وقت نشر واشاعت اور ترسیل وطبع کے جدید وسائل میسر نہ تھے مگر مولانا صاحب کا بے لوث جذبہ اور دن رات کی محنت مقبول ہوئی اور یہ قیمتی دستاویز صحافت کے افق پر اپنی آب وتاب سے جلوہ گر ہوگئی۔ جزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء.

آج ہمارے سامنے اس قیمتی سرمائے کی اشاعت دوم موجود ہے جو کہ ۲۰۱۰ء میں ہوئی ہے اور الحمدللہ جدید کمپیوٹرائزڈ تقاضوں سے ہم آہنگ اور جاذب نظر ٹائٹل سے مزین ہے۔

(مواد حسب سابق ہی ہے ''نگاہِ اوّلین'' اور ''سخن ھائے گفتنی'' اور تبصرہ جات کے علاوہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔)

مواد کے اعتبار سے مختلف مکاتب فکر کے مقالہ نگاروں کے مابین تنوع بھی دکھائی دیتا ہے مگر مقصود واحد ہے یعنی دفاع حدیث۔

اگرچہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ آج کل کے علمی یتیم منکرین حدیث بھی کئی پینترے بدل چکے ہیں اور اب وہ نئے سے نئے پیرائے میں اعتراضات لیے پھرتے ہیں مگر یہ بھی اظہر من الشّمس ہے کہ آج بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے اہل علم وقلم پیدا کردیے ہیں کہ جو موجودہ منکرین حدیث کو جدید اعتراضات کے جوابات دے کر فبهت الذى كفر کا مصداق بنا چکے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان بدنصیبوں ''اپاہجوں'' کو اتكا على السرير کے علاوہ کچھ حاصل نہیں بلکہ وہ تو اس آیت کا مصداق ہیں:

﴿بل كذبوا بما لم يحيطوا بعلمه﴾ اور ﴿الناس اعداء لما جهلوا﴾ کا مقولہ ان پر بالکل فٹ آتا ہے۔

ان کی ابتدا ہی غلط ہے کہ جس قرآن کے یہ لوگ ماننے کے دعویدار ہیں اسے یہ بغیر حدیث منزل من اللہ بھی ثابت نہیں کرسکتے اور پھر ترتیب قرآن باعتبار آیات وسور، اس کے اعراب وقراءت، اس کا ترجمہ سب کچھ حدیث سے ہی تو ملتا ہے۔

بصورت دیگر کچھ بھی نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ منکرین حدیث، کتابت حدیث کا رونا روتے ہیں اور بلا دلیل ہی اسے دوسو اور ڈھائی سوسال کے بعد تحریر شدہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب

کہ قرآن کی کتابت کے یہ ابتدائے رسالت ونبوت محمد ﷺ سے ہی قائل ہیں۔

کوئی پوچھے یہ کتابت قرآن ابتدائی دور سے کس طرح ثابت ہوتی ہے ذرا بتائیں نا!

یقیناً احادیث ہی سے اس کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ بہر کیف "الاعتصام" کے حجیت حدیث نمبر میں جو اصولی اور ٹھوس مباحث موجود ہیں ان سے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں کہ قارئین اس سے استفادہ کرسکیں۔

"انکار حدیث یا انکار رسالت" مولانا محی الدین احمد قصوری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

آیہ مبارک زیب عنوان (یعنی النساء کی ۱۵۰، ۱۵۱) میں قرآنِ حکیم نے حقیقی کفر کی بعض صورتوں کو واشگاف کیا ہے مختصراً وہ یہ ہیں: اللہ کا انکار، نفس رسالت کا انکار، ﴿ما قدرو اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء﴾

اور (دیکھو) جب ان لوگوں نے کہا، اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری (یعنی وحی وتنزیل سے انکار کیا) تو خدا کی خدائی کا جو اندازہ کرنا چاہیے وہ انہوں نے نہیں کیا۔

اللہ کی اطاعت کا اقرار لیکن رسول کو مطاع ومنقاد تسلیم کرنے سے انکار (کہ تفریق بین اللہ ورسولہ یہ نہایت صریح اور بھیانک صورت ہے) بعض رسالتوں یا انبیاء کا اقرار اور بعض کا انکار (یہود کا رسالت مسیح علیہ السلام اور رسالت محمدی ﷺ سے انکار اور نصاریٰ کا رسالت مصطفوی ﷺ سے اعراض)۔

مقام رسالت محمدی ﷺ کو یوں آشکار کرتے ہیں: اس آیت کو ایک بار پھر سامنے لاؤ جس میں حضور اقدس ﷺ کی پوری زندگی کو مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری کائنات کے انسانوں کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾

پہلی چیز تو یہ ہے کہ اس میں حضور پرنور ﷺ کی ذات واحد کو نمونہ قرار دیا گیا ہے وہاں ﴿والذین معہ﴾ نہیں فرمایا کیوں کہ کامل نمونہ وہی ذات ستودہ صفات ہوسکتی تھی کہ جس میں دنیا جہان کی خوبیاں بیک وقت جمع کردی گئی ہوں۔ یہ چیز نہ اس سے پہلے ہوئی نہ آئندہ یوم القرار تک کبھی ہونے والی تھی مزید برآں اس کامل زندگی میں سے "الا قول ابراھیم" کی طرح کسی چیز کا استثناء نہیں فرمایا اور ایک کامل چیز میں سے استثناء کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ کامل کیسے کہلاتی؟ مزید لکھتے ہیں:

﴿وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم﴾

اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ اپنی قوم کی زبان میں پیامِ حق پہنچانے والا تھا تاکہ لوگوں پر (اس کے) مطالب واضح کردے۔

جب بھی کسی قوم میں کوئی رسول بھیجا گیا تو وہ ان کی زبان ہی میں بات چیت کرتا تھا یہ صرف اس لیے کہ کتاب کے سمجھنے میں ان لوگوں کو کسی قسم کا الجھاؤ یا خلجان یا اشکال پیدا نہ ہو۔ اس پر رسول ﷺ کی وضاحت مطالب پر سونے پر سہاگہ کا حکم رکھتی ہے۔ آیہ متذکرۃ الصدر میں یہ چیز بالکل واضح ہے رسول کتاب کا خود شارح اور مفسر ہوتا ہے۔

خدارا بتلاؤ کہ اگر رسول ﷺ کی حیثیت صرف "ایک قاصد" کے سوا کچھ نہ تھی تو لفظ "مبین" کے بار بار اعادے کی کون سی ضرورت تھی؟

قرآن کہتا ہے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریعی اختیارات بھی حاصل ہیں اور آپ ﷺ کے فیصلے الٰہی فیصلوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو قرآن کے چند اور اوامر کے سوا ہمارے پاس کیا تھا۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا﴾

"اور جو چیز تمہیں اللہ کا رسول دے دے وہ لے لو اور جس سے وہ تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔"

ظاہر ہے کہ آیہ مبارکہ میں ﴿ما اتاکم﴾، ﴿ما نھکم﴾ کے مقابلے میں آیا ہے۔ اس لیے پہلے حصے میں وہ تمام اوامر مقصود ہیں جو بارگاہِ نبوت سے جاری ہوں اور دوسرے میں وہ تمام نواہی مراد ہیں جن کے متعلق حضرت رسالت پناہ ﷺ کی طرف سے حکم امتناعی

جاری ہو جائے۔

راقم الحروف مولانا کے اقتباسات رقم کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے انہیں دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس گراں قدر علمی مضمون لکھنے پر جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

اتنے واضح اور ٹھوس اور نا قابل انکار دلائل پر بھی کوئی منکر حدیث ''میں نہ مانوں'' کی گردان کرے تو اس کی عقل اور بدنصیبی پر سوائے افسوس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے یہی لوگ ہیں جنہیں کہا گیا ہے۔

﴿فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون﴾

''یہ آپ (رسول) کے منکر نہیں بلکہ ظالم تو اللہ کی آیات (قرآن) کے منکر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ احباب وذمہ داران ''الاعتصام'' کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس قیمتی اور علمی دستاویز کو منکرین حدیث اور ان کے متاثرین کے لیے باعث رشد وہدایت بنائے، نیز ناشرین، قارئین وکاتبین کے لیے میزان حسنات کا ذخیرہ بنائے، آمین ثم آمین۔

آخر میں اسی ''اشاعت خاص'' سے ترجمان اہل حدیث، رہنما قوم وملت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ؒ کا ایک اقتباس ہدیہ ناظرین وقارئین کرتے ہیں۔

''مجھے اس تلخ نوائی پر معاف فرمایا جائے الفاظ سخت مگر دعویٰ یہی ہے استعارہ یا نرمی حقیقت کو بدلنے کے مترادف ہے اس لیے اصلی لفظوں میں سن لیجیے میری قطعی رائے ہے اس کی بنا تیس سال کا تجربہ ہے کہ تحریک انکار حجیت حدیث کے بانی بدنیت ہیں اور بے دین بھی۔

یہ اسلام کے نام پر جو کچھ کہتے ہیں جھوٹ ہے، یہ حضرات اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا چاہتے ہیں۔ معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ مناظرات اور افہام وتفہیم سے یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ عوام میں یقیناً کچھ لوگ جہالت کی وجہ سے مخلص ہوں گے لیکن اساطین دعوت یقیناً ایمان ودیانت کے دشمن ہیں اور فرنگیت کے شکست خوردہ۔ (بہ شکریہ، ہفت روزہ ''حدیبیہ'' کراچی جلد۲، شمارہ ۱۵، ۱۶۔ ۱۵ تا ۳۱ جنوری ۲۰۱۱ء)



سلام

سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اس پر جو امت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

سلام اس پر جو دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت ہے

سلام اس پر جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بُروں کو جس نے فرمایا کہ ''میرے ہیں''

سلام اس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی

سلام اس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو

سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

(ماہرالقادری)